باب اوّل

اسلام میں خاندان کی تشکیل

(۱)

نکاح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نکاح کی اہمیت

(۱) عَنۡ عَبۡدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَا مَعۡشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسۡتَطَاعَ مِنۡکُمُ الۡبَآءَۃَ فَلۡیَتَزَوَّجۡ فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلۡبَصَرِ وَاَحۡصَنُ لِلۡفَرۡجِ وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَعَلَیۡہِ بِالصَّوۡمِ فَاِنَّہٗ لَہٗ وِجَآءٌ۔

(مسلم عن عبداللہ بن مسعود کتاب النکاح۔ بخاری کتاب الصوم۔ کتاب النکاح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی ذمہ داریوں کو ادا کرسکتا ہو، اُسے شادی کرلینی چاہیے، اس سے نگاہ قابو میں آجاتی ہے اور آدمی پاک دامن ہوجاتا ہے۔ ہاں، جو شخص (نکاح کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی) استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزہ اس کے شہوانی جذبات کو کم کردے گا۔

تشریح: بیوی کی ضروریاتِ زندگی (لباس، خوراک، مکان اور دوسرے روزمرّہ کے اخراجات) کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ جو شخص اس کی استطاعت رکھتا ہو اُسے تجرد سے پرہیز کرنا چاہیے۔ وہ لازماً شادی کرے۔ شادی کرنے سے نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچ جاتی ہیں۔ جائز ذریعہ سے جنسی تسکین شرمگاہ کو محفوظ کرلیتی ہے۔ غیر شادی شدہ آدمی ہر وقت شیطان کے نرغے میں رہتا ہے۔ جوانی کا فطری تقاضا خیالات اور جذبات کو غلط راہوں پر بھی ڈال سکتا ہے۔ جنسِ مخالف کی کشش بڑھ جاتی ہے اور نفسِ جبلہ جو آہستہ آہستہ آنکھوں سے شرم وحیا کے جوہر کو کمزور کرتا رہتا ہے جب یہ آوارہ ہوجاتی ہیں تو پھر کان اور زبان کی بے احتیاطی کا آغاز ہوتا ہے۔ بالآخر انسان بے حیائی کے آخری غار میں گر کر اپنی عصمت کا دامن تار تار کرکے رہتا ہے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو زیادہ عرصہ تک ازدواجی زندگی سے محروم رکھنے سے معاشرے میں بڑی گھناؤنی اخلاقی بیماریاں نشوونما پاتی ہیں۔ فطرت کے خلاف جنگ کرنے والے افراد اور ادارے پاکیزہ ماحول، شرم وحیا، شرافت اور پاک دامنی کے اوصاف سے محروم ہوجاتے ہیں، اس لیے جو شخص

نکاح کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اُسے "مجرد" نہیں رہنا چاہیے۔ شہوت کے غلبہ کی تسکین کا صرف ایک ہی ذریعہ ـــ ازدواجی زندگی ـــ ہے۔ یہ فطری اور معقول طریقہ ہے اس جذبہ کی تسکین کا۔

عملِ قومِ لوط یا استمنار بالید (جلق) سے اس کی تسکین غیر فطری اور بالکل ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں ان غلط طریقوں سے انسان کی صحت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا میں ـــ اچھا مسلمان تو کیا بنے گا ـــ ایک اچھے انسان کی طرح بھی کارزارِ حیات میں زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

ہاں، جو شخص ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ مسلسل روزے رکھ کر اپنے شہوانی جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرے۔ روزہ رکھنے سے ایک فائدہ تو اُسے یہ ہوگا کہ اس کی روح مادّی کثافتوں سے نجات حاصل کرتی رہے گی، اور یہ سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص متواتر اور مسلسل روزے رکھنے لگے اس کی بہیمیت ختم ہو جاتی ہے، اور طبعی شہوت کا ہیجان زائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان میں ضبطِ نفس کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔

نکاح اور تقویٰ

(۲) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اِلٰی عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فَجَاءَہٗ فَقَالَ یَا عُثْمَانُ اَرَغِبْتَ عَنْ سُنَّتِیْ؟ قَالَ لَا وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلٰکِنْ سُنَّتَکَ اَطْلُبُ قَالَ فَاِنِّیْ اَنَامُ وَاُصَلِّیْ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَنْکِحُ النِّسَآءَ فَاتَّقِ اللّٰہَ یَا عُثْمَانُ! فَاِنَّ لِاَھْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِضَیْفِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا فَصُمْ وَاَفْطِرْ وَصَلِّ وَنَمْ۔

(ابوداؤد عن عائشۃ کتاب الصّلوٰۃ باب مایومر بہ من القصد فی الصّلوٰۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بُلا بھیجا، وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: عثمان! کیا تو میرے طریقے سے اعراض کرتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں

اے اللہ کے رسولؐ! خدا گواہ ہے (کہ میں آپ کے طریقے سے اعراض نہیں کرتا) بلکہ میں تو آپ ہی کے طریقے کی تلاش میں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا (میرا طریقہ تو یہ ہے کہ) میں (رات کے ایک حصّہ میں) سوتا ہوں اور (اس کے ایک حصّہ میں) نماز تہجد پڑھتا ہوں۔ میں روزے رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اے عثمان! تو خدا سے ڈر (اپنے مہمان، اپنی بیوی اور اپنے نفس کی حق تلفی نہ کر) تیرے بال بچّوں کا تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے۔ پس تو روزے رکھ اور افطار کر، رات کو نفل نماز پڑھ اور سو بھی۔

تشریح: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ میں بالکل عورتوں سے واسطہ نہ رکھوں گا، میں ہمیشہ جاگ جاگ کر ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا اور ہمیشہ روزے سے رہوں گا، ایک دن بھی افطار نہ کروں گا۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آئی تو آپؐ نے ان کو بُلا بھیجا۔ اس سلسلہ میں یہ گفت گو ہوئی۔ استطاعت کے باوجود نکاح نہ کرنا نیکی نہیں ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسلک کی خلاف ورزی ہے۔ یہ کوئی تقویٰ نہیں ہے کہ آدمی دُنیا کے بازار سے بھاگ کر رات دن نماز روزے میں مشغول ہو جائے اور ازدواجی زندگی کے قریب بھٹکے۔ جاہل ہے وہ شخص جو تقویٰ کی ترنگ میں آکر شادی نہیں کرتا۔ یا شادی تو کر لیتا ہے لیکن بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ اور رات دن تبلیغ اور عبادت میں منہمک ہونے کی وجہ سے اہل و عیال کی خبر گیری سے غافل ہے۔ اس روایت کی رو سے بال بچّوں، مہمانوں اور اپنے جسم کے حقوق ادا کرنے کا نام "تقویٰ" ہے۔

تجرُّد

(۳) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَلتَّبَتُّلَ وَلَوْ اَذِنَ لَہٗ لَاخْتَصَیْنَا۔

(مسلم کتاب النکاح۔ بخاری کتاب النکاح باب ما یکرہ من التبتّل والخصاء)

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست کہ "میں ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق رہنا چاہتا ہوں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسترد فرما دی۔ اگر آپ اس کی اجازت دیتے تو ہم خصی بن جاتے۔"

تشریح: اس روایت میں تبتّل کے معنی ہیں عورتوں سے منقطع ہونا، ان سے واسطہ نہ رکھنا، ان سے نکاح نہ کرنا، یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے نکاح اور اس سے حاصل ہونے والی مسرّتوں اور لذتوں سے کنارہ کش ہونا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اللہ کی محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ عورتوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خلافِ فطرت کام کی اجازت نہ دی، اور بڑی سختی سے انہیں روک دیا۔ کیونکہ آپؐ، انسانی فطرت کے رمز شناس تھے۔ آپؐ اس کے نقصانات اور خرابیوں کو خوب جانتے تھے۔ اگر آپؐ انہیں اس کی اجازت دیتے تو یہ رَو چل پڑتی۔ اور ہم عورتوں سے قطع تعلق کرنے میں اس حد تک انتہا پسند ہو جاتے گویا کہ ہم نامردوں کی طرح ہیں یا ان لوگوں کی طرح ہیں جو خصّی بن جاتے ہیں۔ "اختصاء" نامرد، ہیجڑا اور خصی بن جانے کے معنی میں آتا ہے لیکن روایت میں یہ الفاظ:

"اگر آپ اس کی اجازت دیتے تو ہم خصّی بن جاتے"

اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہیں بلکہ یہ مبالغہ کے انداز میں فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ کسی آدمی کو ہیجڑا اور خصّی بنانا حرام ہے، بلکہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے اور جن بڑے جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کو خصّی بنانا ممنوع ہے۔

ہاں جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے چھوٹی عمر میں ان کو خصّی کرنے کی اجازت ہے۔

فوطے نکلوا کر یا کسی عملی تدبیر سے کسی آدمی کو خصّی یا ہیجڑا، نامرد بنانا حرام اور ناجائز ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ کی محبّت اور عبادت کے لئے کسی شخص کا شادی سے اجتناب کرنا نیکی نہیں ہے، بلکہ عیسائیت کی یادگار ہے۔

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَرُوْرَةَ فِي الْاِسْلَامِ

(ابوداؤد عن ابن عباس کتاب المناسک۔ مسند احمد ۲۸۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں شادی نہ کرنے (اور مجرد رہنے) کی اجازت نہیں ہے۔

تشریح: کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ "تجرد" کی زندگی بسر کرے اور کہے "میں شادی نہیں کرتا" کیونکہ اکیلے پن کی زندگی معاشی اور معاشرتی خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ماننے والوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ نکاح کرنے سے انکار کر دیں، بلکہ یہ طریقہ ہے عیسائی راہبوں کا، جسے اسلام نے لغو قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔

اس حدیث کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "اسلام میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

تین کاموں میں تاخیر نہ کرو

(۵) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ یَا عَلِیُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْھَا، اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اٰنَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَھَا کُفُوًا۔

(ترمذی ابواب الجنائز، مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ۔ مسند احمد ص۸۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو۔ جب نماز کا وقت آجائے (تو اسے فوراً ادا کرو) اور جنازہ جب تیار ہو (تو اسے بہت جلد زمین کے سپرد کر دو) اور جب تم غیر شادی شدہ عورت کا "ہمسر" پاؤ (تو اس سے اس کا نکاح کر دو)

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

(۱) "نماز"

(۲) "جنازہ" اور

(۳) "غیر شادی شدہ عورت" کے سلسلہ میں یہ تاکید فرمائی کہ تم ان کے متعلق تاخیر اور بے پروائی کا رویہ اختیار نہ کرو۔

۱۔ اذان سنتے ہی نماز کی تیاری میں لگ جاؤ تاکہ نماز وقت پر ادا کی جا سکے۔ جو لوگ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے وہ "جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے" سے

محروم رہ جاتے ہیں۔ انفرادی طور پر مارا ماری کی نماز پڑھ کر بہت جلد فارغ ہوجانا چاہتے ہیں۔ وہ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، نہ خشوع وخضوع کی کیفیت ان کو نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا: جب نماز کا وقت آجائے تو سارے دھندوں کو چھوڑ چھاڑ کر "بادشاہ حقیقی" کی بارگاہ میں حاضر ہوجاؤ کیونکہ نماز کو دیر سے پڑھنا منافق کی نشانی ہے۔

۲۔ بعض لوگ ــــ دُور سے آنے والے رشتہ داروں کی خاطر ــــــ مُردوں کی تکفین اور تدفین میں غیر معمولی تاخیر سے کام لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔ مُردے کو نہلانے اور کفنانے کے بعد حکم دیا ہے کہ اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اُسے قبر میں دفن کردو۔

۳۔ غیر شادی شدہ عورت کا جب تمہیں ہمسر ملجائے تو فوراً اس کا اس سے نکاح کر دو۔ زیادہ عرصہ تک بن بیاہے اس کو بٹھائے رکھنا اچھا نہیں ہے۔

بعض لوگوں کو اس سے یہ مغالطہ ہوگیا ہے کہ شاید اسلامی قانون نے شادی بیاہ کے معاملہ میں جو "کفو" کو اہمیت دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض خاندان شریف ہیں اور کچھ خاندان کمین ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتے جیساکہ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ تم غیر شادی شدہ عورت کے نکاح میں "کفو" ــــ ہمسر، ہم پلّہ، برابر کی ٹکر کا ــــ لحاظ رکھو، حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ "اسلام" کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں۔ یہاں اونچ نیچ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی عجمی کو کسی عرب پر، کسی عرب کو کسی عجمی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کے ساتھ، جو شخص متقی ہو، اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو وہ فضیلت رکھتا ہے اس شخص پر جس کا دل خُدا کے خوف سے خالی ہے، اور وہ خُدا کی نافرمانی اور بغاوت پر تُلا ہوا ہے۔ شرعًا ہر مسلمان مرد کا ہر مسلمان عورت سے نکاح ہوسکتا ہے لیکن ازدواجی زندگی کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ رشتۂ نکاح میں منسلک ہونے والے جوڑے کے درمیان معاشی حیثیت، معاشرتی حالات، خاندانی روایات، اخلاقی حیثیت اور رہن سہن کے طور طریقوں میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی ہو۔

اگر ان چیزوں کا لحاظ کیے بغیر نکاح کا فارم پُر کر دیا جائے تو تلخیاں پیدا ہوں گی۔ فریقین میں عداوت اور جھگڑے تک نوبت آسکتی ہے۔ تو شادی بیاہ میں ہمسری اور برابری (کفو) کے لحاظ کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ ایک "شریف" ہے اور دوسرا "کمین" ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد یہ حقیقت ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر بہت زیادہ تفاوت ہوگا تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ نباہ نہیں کر سکیں گے اور ازدواجی زندگی کا آبگینہ چکنا چور ہو جائے گا۔ حالانکہ ایک لڑکی کو ایک لڑکے کے ساتھ زندگی بھر کے لئے وابستہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مِل جُل کر اپنے گھر کو پُرسکون بنائیں گے، گھر کی گاڑی کو باہمی محبّت اور تعاون سے کامیابی کے ساتھ چلائیں گے۔

اسلام کے معاشرتی نظام میں کسی عورت اور مرد کا تجرد کی زندگی کو اختیار کرنا نیکی نہیں ہے، بلکہ اس سے طرح طرح کی برائیوں کے پھیلنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے خصوصًا ہمارے اس فحّاشی کے دور میں تو اکیلا پن ایک ناقابلِ برداشت مصیبت بن کر رہ گیا ہے۔ فرمانِ نبویؐ کا مطلب یہ ہے کہ "موزوں رشتہ" کی موجودگی میں شادی کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ بعض لوگ جہیز کی تیّاری میں اپنی لڑکیوں کے شباب کو برباد کر دیتے ہیں۔ شادی اور جہیز کا موجودہ عمل سخت تباہ کُن ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ سادگی اختیار کی جائے تاکہ مالی مشکلات کی وجہ سے شادی کرنے میں رُکاوٹ نہ ہو۔ ہر آدمی کے لیے "موزوں رشتہ" وہ ہے جو عادات، اخلاق، معیشت اور خاندانی روایات کے اعتبار سے اس کا ہم پلّہ ہو۔ اس کا صحیح فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے رجحانات کا مطالعہ بھی کر لیں تو اچھّا ہے بلکہ مفید ہے۔

لیکن ماں باپ کی رضامندی اور مشورہ کے بغیر کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح کے سلسلہ میں خود ہی فیصلہ کر لینا بڑا ہی خطرناک ہے۔ کیونکہ دورِ شباب کے جذباتی ماحول میں "عقل" مغلوب ہو جاتی ہے اور بسا اوقات رومانی شادیوں کا انجام بے شمار تلخیوں کو جنم دیتا ہے۔

بیوی کا انتخاب دین کی بنا پر

(۶) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِھَا وَلِحَسَبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَلِدِیْنِھَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح، بخاری کتاب النکاح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے۔

(۱) "اس کی جائیداد کی وجہ سے اور"

(۲) "اس کی خاندانی شرافت کے باعث اور"

(۳) "اس کے حُسن وجمال کے سبب اور"

(۴) "اس کی دینداری کی بنیاد پر" تم دیندار عورت کو حاصل کرو۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو۔

تشریح: عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کے رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔

(۱) جو لوگ مال و دولت کے پجاری اور حریص ہیں وہ مالدار عورت سے نکاح کر کے اپنی معاشی پوزیشن کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے پیش نظر ہوتی ہے کہ ان کی اولاد اپنی ماں کی ساری جائیداد کی وارث قرار پائے گی۔ کوئی اور خوبی صاحبِ جائیداد ہونے کے علاوہ ـــــ اس عورت میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو اس سے ان کو دلچسپی نہیں ہوتی۔

(۲) بعض لوگ عزّت وجاہ کے حصول کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ معاشرے میں نمایاں ہونے اور امتیازی مقام پانے کے لئے وہ مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔ جو شخص اس ذہن کے ساتھ سوچتا ہے وہ اپنی جاہ پسندی کی تسکین کے لیے ایسی لڑکی سے نکاح کرتا ہے جو شریف خاندان کی چشم و چراغ ہو، اس لڑکی میں کوئی اور صفت پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو ــ اُسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ بس اُسے تو یہ چاہیے کہ وہ جس لڑکی سے شادی کر رہا ہے اس کی فیملی معاشرے میں احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

(۳) انسانی فطرت کا ذوق، جمال پسند ہے۔ اس کے ساتھ اکثر افراد کے مزاج میں حیوانی جبلّت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ بیوی کے انتخاب میں اس کے شباب، تناسبِ اعضاء اور خوبصورتی کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہیں جو حُسن وجمال کا پیکر ہو، چاہے وہ اخلاقی اور دینی حیثیت سے قابلِ رشک نہ ہو اور اس کا خاندان اچھی شہرت کا حامل نہ ہو۔

(۴) لیکن ایک مہذّب اور شائستہ آدمی عورت سے نکاح کرنے میں سب سے زیادہ جس صفت کو تلاش کرتا ہے وہ ہے اس کی دینداری!۔

وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے جو دیندار ہو خواہ پہلی تین صفتوں میں سے کوئی صفت اس میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔

"دیندار عورت" کے معنی ہیں پاکدامن، سنجیدہ مزاج، نیک سیرت، اور دین کے کام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹانے والی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ عموماً دنیا میں یہ چار طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے کسی نہ کسی ذوق کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن آپؐ نے بڑی تاکید اور شفقت کے ساتھ اپنے ہر ماننے والے کو یہ مشورہ دیا ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے میں اس کے دینی اور اخلاقی پہلو کو ملحوظ رکھو، چاہے وہ خوبصورتی، مالی خوشحالی اور خاندانی شرافت کے اوصاف کی حامل ہو یا نہ ہو، اگر تم دنیا میں کامیاب مسلمان کی طرح ازدواجی زندگی کی مسرت سے شادکام ہونا چاہتے ہو تو نکاح کے سلسلہ میں جس خوبی کو تم نے اہمیت دینی ہے وہ ہے ہونے والی بیوی کی دینداری، آپؐ کا یہ منشا نہیں ہے کہ دوسرے اوصاف ——— خاندانی شرافت، خوشحالی اور خوبصورتی ——— کو ملحوظ رکھنا گناہ ہے۔

خاندانی شرافت کو نظر انداز کر کے صرف دین اور تقویٰ کی بنا پر شادی کرنے کی مثالیں دورِ نبوّت میں ملتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا نکاح اپنے غلام زید بن حارث سے کیا۔ زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کی شادی بنی فہر کی لڑکی فاطمہ بنتِ قیس سے کر دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے تاجر اور قریشی کی بہن سے سیّدنا بلال بن رباح نے نکاح کیا۔

اس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کو اپنی دوستی، رفاقت اور تعلقات دیندار اور خُدا ترس لوگوں سے قائم کرنے چاہئیں۔ فاسق و فاجر آدمی کی ہمنشینی غیر شعوری طور پر آہستہ آہستہ اچھے خاصے پرہیز گار کو بھی گناہ پسند بنا دیتی ہے۔

صرف حُسن یا مال کی بنا پر شادی - خانہ بربادی

(۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَوَّجُوا النِّسَآءَ لِحُسْنِهِنَّ

فَعَسٰى اَنْ يُّرْدِيَهُنَّ وَلَا تَزَوَّجُوْهُنَّ لِاَمْوَالِهِنَّ فَعَسٰى اَنْ تُطْغِيَهُنَّ وَلٰكِنْ تَزَوَّجُوْهُنَّ عَلَى الدِّيْنِ وَلَاَمَةٌ خَرْمَاءُ سَوْدَاءُ ذَاتُ دِيْنٍ اَفْضَلُ۔ (ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرؓ ابواب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عورتوں سے (صرف) ان کے حُسن وجمال کی بنا پر شادی نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا حُسن ان کو تباہ کر دے۔ اور نہ تم ان سے (صرف) ان کے مال کی بنا پر شادی کرو۔ شاید ان کا مال ان کو (تمہاری) نافرمانی میں مبتلا کر دے۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ تمہاری اور ان کی مالی حیثیت میں بہت زیادہ تفاوت ہو ——————

لیکن تم دین کی بنا پر ان سے شادی کرو۔ چھدے ہوئے کان والی، سیاہ فام دیندار باندی (خاندانی حسین عورت سے اللہ کی نگاہ میں) بہتر ہے۔

تشریح: کسی باشعور مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی حسین اور خوبصورت عورت سے شادی کرے جو دین اور اخلاق سے کوسوں دور ہو۔ اور نہ کوئی ہوشمند آدمی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ عورت کے صرف مالدار ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی کر لے، اور یہ نہ دیکھے کہ اس کی سیرت کیسی ہے؟ حُسن اگر تقویٰ کی رسّی سے بندھا ہوا نہ ہو تو کم از کم تین چار خاندانوں کے گھروں کے سکون کو تباہ کر سکتا ہے۔

مال اور دولت کی گھوڑی کو اگر دین کی لگام سے قابو میں نہ رکھا جائے تو یہ بہت سے کھیتوں کو اجاڑ کر رکھ دے۔

اگر کوئی شخص اپنی معاشی حیثیت کا لحاظ کیے بغیر کسی بہت زیادہ مالدار عورت سے شادی کر لیتا ہے —— اور وہ عورت نیک سیرت اور پاک دامن نہیں ہے، تو وہ ذلّت اور رُسوائی کا شکار ہو سکتا ہے۔ ایک سانولے رنگ کی دیندار لڑکی شادی کے لیے زیادہ موزوں اور بہتر ہے اس حسین و مالدار عورت سے جو دین و اخلاق کی پابندیوں کی قائل نہ ہو۔

شوہر کے انتخاب میں دین اور اخلاق کی اہمیت

(۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَخُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِلَّا تَفْعَلُوْا تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِیْضٌ۔

(ترمذی عن ابی ہریرۃؓ ابواب النکاح، ابن ماجہ ابواب النکاح، مشکوٰۃ کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس وہ آدمی نکاح کا پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا۔

تشریح: تم معیار زندگی کی تیز رفتاری پر اپنی نگاہیں نہ گاڑو۔ کسی دیانتدار اور صاف ستھری معاشرت رکھنے والے لڑکے کی طرف سے اگر تمہیں شادی کا پیغام ملے تو اُسے قبول کر لو، اور اس سے اپنی لڑکی کو بیاہ دو۔ صرف مال و دولت اور اونچی دُکان پر تمہاری نگاہِ انتخاب نہ پڑے۔ سب سے زیادہ اہمیت نکاح کے سلسلہ میں دین اور اخلاق کو ہونی چاہیے۔ باقی چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر کسی ایسے لڑکے نے تمہارے ہاں شادی کا پیغام دیا ہے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو، اس کے نیک سیرت اور دیندار ہونے پر تم مطمئن ہو، لیکن وہ لڑکا خوبصورت، خوشحال اور جنٹلمین نہیں ہے، تو تم اس سے شادی کر دو اور تم اُسے ترجیح دو۔ اس لڑکے پر جو دین اور اخلاق کا قائل ہی نہیں ہے لیکن ہے بہت دولتمند اور خوبصورت۔

اگر تم اپنی لڑکیوں کا نکاح دینے کے لیے نہایت امیر کبیر اور اونچے خاندان کے لڑکوں کی تلاش میں سرگرداں رہو گے، اور ان لوگوں سے تم اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کرو گے جن کی دیانتداری اور اچھے اخلاق کو تم ذاتی طور پر پسند کرتے ہو، تو اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ مثلاً جب تم نے لازماً اپنی لڑکی اونچے گھرانے میں دینی ہے، اور ایسے لڑکے کو دینی ہے جو بہت زیادہ دولتمند ہو، یا حکومت کے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو تو دوسرے لوگ بھی تمہاری تقلید میں اپنی لڑکیوں کے لئے اس معیار کے شوہر تلاش کریں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ لڑکیوں کی اکثریت شادی سے محروم رہ جائے گی، بلکہ تمہارے خاندان کے بیشتر لڑکے اور لڑکیاں

"جبری تجرد" کا شکار ہو جائیں گی۔ اس سے زنا اور بدکاری پھیلے گی۔ بات باہر نکلے گی تو خاندان کا ناموس اور عزّت خاک میں مِل جائے گی۔

کچھ اغوا ہوں گے، عصمت فروشی کا کاروبار چلے گا، مقدمہ بازی تک نوبت آئے گی۔ اور شاید اس کی وجہ سے قتل و غارت کا بھوت بھی آ دھمکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صورتحال کو فتنہ اور بڑی خرابی کا نام دیا ہے لیکن شادی بیاہ کے سلسلہ میں اگر دین اور اخلاق کو بنیادی اہمیت دی جائے تو پھر یہ خرابیاں رونما نہیں ہو سکتیں۔

پیغامِ نکاح کا اصول

(۹) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ .... لَا یَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَنْکِحَ اَوْ یَتْرُكَ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح ، مسلم کتاب النکاح ۔ کتاب البیوع)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام نہ دے یہاں تک کہ (جس نے پہلے نکاح کا پیغام دیا ہے وہ (اس عورت سے) نکاح کرلے یا وہ (اس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ) ترک کر دے۔

تشریح: "آدمی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام نہ دے" یہ اس صورت میں ہے جبکہ

(۱) مخطوبہ یا اس کے سرپرست نے نکاح کے پیغام کو قبول کر لیا ہو، اور فریقین نے باہمی رضامندی سے مہر کی مقدار بھی متعین کر دی ہو اور صرف نکاح کا مرحلہ باقی ہو یا

(۲) مخطوبہ یا اس کے سرپرست نے نکاح کے پیغام کو واضح طور پر قبول کر لیا ہو۔

ان دونوں صورتوں میں کسی دوسرے شخص کا اس خاتون کو نکاح کا پیغام دینا ناجائز اور حرام ہے۔ الّا یہ کہ وہ ـــــ جس نے پہلے نکاح کا پیغام دیا تھا اس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ ترک کر دے، یا دوسرے شخص کو پیغامِ نکاح دینے کی اجازت دے، تو وہ اس عورت کو نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔

(۳) اگر عورت یا اس کے سرپرست نے نکاح کا پیغام دینے والے کے پیغامِ نکاح کو مسترد کر دیا ہو یا نہ تو صراحت کے ساتھ اسے قبول کیا ہو اور نہ انکار کیا ہو تو اس صورت

میں دوسرا آدمی اس خاتون کو نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخر الذکر صورت میں کسی لڑکی سے نکاح کرنے کے لیے متعدد آدمی بھی اس کے سرپرست کو نکاح کا پیغام دے سکتے ہیں پھر لڑکی کے سرپرست کا کام ہے کہ وہ سوچ بچار اور مشورے کے بعد جس آدمی کو موزوں سمجھے اس سے لڑکی کی شادی کر دے۔

ہماری اس رائے کی تائید درجِ ذیل واقعہ سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو عمرو بن حفص نے جب فاطمہ بنت قیسؓ کو طلاق دی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورے سے حضرت ابن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گزارنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: جب تمہاری عدت ختم ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ چنانچہ عدت کے خاتمہ پر اس نے حضورؐ کو مطلع کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ "ابوجہمؓ اور معاویہؓ" نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ لیکن اس نے ان دونوں میں سے کسی ایک کی جانب اپنے رجحان کا اظہار نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس کے لیے نامناسب قرار دینے کے ساتھ حضرت "اسامہ بن زید" سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ پہلے تو وہ ذرا ہچکچائی پھر مان گئی۔ (مسلم کتاب الطلاق)

ہونے والی بیوی کو غور سے دیکھنا

(۱۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى مَا يَدْعُوْهُ إِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ۔

(ابو داؤد عن جابر بن عبد اللہ کتاب النکاح۔ مشکوٰۃ کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اگر ممکن ہو تو وہ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگالے کہ آیا اس عورت میں کوئی ایسی خوبی پائی جاتی ہے جو اس کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ کرنے والی ہو۔

(۱۱) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ اِمْرَأَةً فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهٗ أَحْرٰى أَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔

(مشکوٰۃ کتاب النکاح بحوالہ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم نے عورت کو دیکھا بھی ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں، آپؐ نے فرمایا: اسے دیکھ لو، اس طریقہ سے زیادہ امّید کی جا سکتی ہے کہ تمہارے درمیان الفت اور موافقت ہو گی۔

(۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَاَخْبَرَهُ اَنَّهُ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَظَرْتَ اِلَیْهَا قَالَ لَا قَالَ فَاذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا۔ (مسلم کتاب النکاح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک آدمی نے آکر آپؐ کو بتایا کہ وہ ایک انصاری عورت سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا، کیا تم نے اسے دیکھا بھی ہے؟ اس نے عرض کی، نہیں حضور! آپؐ نے فرمایا: جاکر اسے دیکھ لو، انصار کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔

تشریح: ان تین مذکورہ حدیثوں میں نکاح کا پیغام دینے کے سلسلہ میں جو اصولی ہدایات دی گئی ہیں، ہم ان پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ "نکاح" دراصل ایک مرد اور عورت کے درمیان عمرانی معاہدہ ہوتا ہے اور ایک نئے خاندان کی بنیاد کا اعلان ہوتا ہے۔ آدمی اگر کسی بداخلاق اور پھوہڑ عورت سے شادی کرلے تو اس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ بیوی کے انتخاب میں سب سے زیادہ اہمیت "دین اور اخلاق" کو دینی چاہیے۔ اس کے ساتھ اگر دوسرے پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے تو ازدواجی زندگی بہت خوشگوار ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت خوبصورتی اور حُسن کی طرف طبعًا مائل ہے اس لیے ہر شخص کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ کسی خوبصورت یا قبول صورت لڑکی سے شادی کرے اس لیے آدمی جس لڑکی سے شادی کرنے کا خواستگار ہو اگر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے تو یہ چیز اس کے مستقبل پر فیصلہ کُن اثر ڈال سکتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ "مخطوبہ" اس لڑکی کو کہتے ہیں جس سے نکاح کرنے کے لیے پیغام دیا جائے۔

- جو شخص کسی عورت سے شادی کرنے کا خواہشمند ہو وہ اسے دیکھ لے۔ دیکھ لینے کے بعد اگر وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو سرے سے اسے نکاح کا پیغام ہی نہ دے۔
- اگر "مخطوبہ" کو دیکھے بغیر اس سے نکاح کر لیا، اور خدانخواستہ اسے یہ نکاح راس نہ آسکا تو شادی کرکے اسے بیحد ندامت ہوگی، جھگڑے اور فساد تک نوبت پہونچ سکتی ہے۔
- "مخطوبہ" کو دیکھ لینے کے بعد اگر اس نے اس سے نکاح کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:
- اگر شادی کے بعد ان کے درمیان محبت اور موافقت پیدا ہوگئی تو پھر یہ شادی بڑی پُر بہار اور مسرت انگیز ثابت ہوگی، زیادہ توقع اس کی ہے۔
- لیکن اگر شادی کے بعد کچھ اَن بَن ہوگئی تو پھر بھی یہ ندامت کا موجب اس لئے نہیں ہوگی کہ یہ اس کی دیکھی بھالی جگہ تو ہے، اس لیے کسی نہ کسی طرح گزارہ کریں گے۔
- "مخطوبہ" کو اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر اس سے شادی کرنے کا خواستگار دیکھ سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ اسے بہت معیوب سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر یہ بات ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مشورہ نہ دیتے۔

- اگر کسی وجہ سے آدمی اپنی "مخطوبہ" کو نہ دیکھ سکے، تو اس کے متعلق زیرک اور معاملہ فہم خواتین کی رائے معلوم کر سکتا ہے۔
- اسی طرح مخطوبہ یا اس کے سرپرست بھی نکاح کا پیغام دینے والے کے بارے میں استفسار اور استصواب کر سکتے ہیں یا معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔
- جن لوگوں سے "مخطوبہ" یا نکاح کرنے والے لڑکے کے بارے میں رائے طلب کی جاتے وہ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اپنی صحیح رائے سے آگاہ کر دیں، تاکہ ہر فریق شادی کرنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔

خطبۂ نکاح

(۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

—— التَّشَهُّدَ فِي الحَاجَةِ —— اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَيَقْرَءُ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○

(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ط) (ترمذی ابواب النکاح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نکاح کا تشہد سکھایا (جو حدیث کے متن میں خط کشیدہ ہے۔ اور اس کا ترجمہ یہ ہے) تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اس سے مدد مانگتے ہیں اور ہم (اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے اس سے التجا کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنی بداعمالیوں کے شر سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے کوئی اُسے گمراہ نہیں کرسکتا اور وہ جس کو گمراہ کردے کوئی اُسے راہِ راست پر لانے والا نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر آپؐ نے جن تین آیات کی تلاوت فرمائی ان کا ترجمہ یہ ہے ——

(۱) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم مرتے دم تک اللہ کے فرمانبردار بن کر رہو۔

(۲) لوگو! تم اپنے مالک کی نافرمانی سے پرہیز کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں (آدم وحوا) کی نسل سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو زمین پر پھیلا دیا۔ اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ والوں کی حق تلفی سے پرہیز کرو۔ بیشک اللہ تم پر نگراں ہے۔

(۳) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔ اللہ تمہارے کام سنوار دیگا۔ اور تمہارے گناہ بخشدے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے وہ بڑی کامیابی سے شادکام ہوا۔

تشریح: "جاہلیت" کے زمانے میں نکاح کے معاہدے سے پہلے اچھے خاصے اجتماع میں ایک تقریر کی جاتی تھی (اسے خطبۂ نکاح کہتے ہیں) جس میں اپنے باپ دادا کے قابلِ فخر کارناموں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس نئے جوڑے کے باہمی ملاپ کی شہرت ہو۔ اس تقریب کے سب شرکاء اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنے کانوں سے سن لیں کہ یہ نیا جوڑا —— زنا اور بدکاری نہیں بلکہ —— نکاح جیسے پاکیزہ معاہدے کے تحت اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کر رہا ہے۔

—— کیونکہ بدکاری کا دھندا تو چوری چھپے اور چپکے سے کیا جاتا ہے۔ کسی عورت سے زنا کرنے کے لئے خلقِ خدا کو اکٹھا کر کے اعلان عام تو نہیں کیا جاتا کہ لو، سنو میں اس عورت سے منہ کالا کروں گا۔ —— خطبہ عموماً ہمیشہ نہایت اہم اور عظیم الشان مقاصد کے لیے ہوتا ہے۔ انسان کی معاشرتی زندگی میں نکاح چونکہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لیے اس سے پہلے "خطبہ" کہنے کا رواج رہا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کی ان مصلحتوں کو برقرار رکھتے ہوئے جاہلیت کی ان رسموں کو نکاح سے پاک کیا جن کا اسلامی روح سے ٹکراؤ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ نے ملّتِ اسلامیہ کے مزاج اور روح کے مطابق کچھ ایسی باتیں تعلیم فرمائیں جن پر عمل کرنے سے پتہ چل سکے کہ "دین حق" کے علمبرداروں کی تقریب ہے۔ اسلامی معاشرہ چونکہ اپنی انفرادی

اور اجتماعی خصوصیات کی بنا پر غیر مسلم معاشروں سے مختلف ہے اس لیے لازماً نکاح سے پہلے تقریر یا خطبہ میں ان خصوصیات کا تذکرہ ضروری تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ تعریف اور شکر کا مستحق اللہ ہی ہے۔ ہم اپنے تمام کاموں میں اس کی مدد کے محتاج ہیں۔ اگر ہم سے غلطیاں صادر ہوں تو ان کی مغفرت کے لئے ہمارا دستِ سوال اس کے سامنے دراز ہوگا۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور سیاہ کاریوں کے مقابلہ میں ہم اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں جو ساری کائنات کا فرماں روا ہے۔ معبودانِ باطل سے بیزاری کے بعد ہم اس بادشاہِ حقیقی پر بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہیں جس کا اقتدار ساری کائنات پر مسلّط ہے۔ پھر توحید اور رسالت پر شہادت کا اعلان، پھر آخر میں قرآن کی ان تین آیتوں کی تلاوت، جو معاشرتی اور ازدواجی زندگی کے اصول اور ہدایات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت خدا اور خلق کو گواہ بنا کر گھر کی ذمّہ داریوں کو نبھانے کا معاہدہ کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک ایک دوسرے کے خیر خواہ اور وفادار رہیں گے۔ اس معاہدے سے لازم آتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ کریں۔ ایک دوسرے کے رشتہ داروں اور قرابت والوں کا احترام کریں۔ اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کریں۔ شوہر، بیوی کے رشتہ داروں سے اور ـــ بیوی، شوہر کے قرابت داروں کے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ کرے۔ ان دونوں کے ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوگی، دونوں یکساں ان کی نگرانی اور تربیت کے ذمّہ دار ہوں گے۔ ہر فریق اپنے فرائض اور ذمّہ داریوں کو نہایت دیانتداری سے ادا کرے گا۔ اور اپنے حدود سے تجاوز نہیں کرے گا۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا معاون ومددگار ہوگا۔ ہر فریق کو یہ احساس رکھنا چاہیے کہ اگر اس نے نکاح کے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو کوئی طاقت اسے خدا کے غضب سے نہ بچا سکے گی۔ اس لیے وہ ہمیشہ ہر وقت خدا سے ڈرتا رہے۔ ایک دوسرے کے حقوق اور رشتہ داروں سے تعلقات کے سلسلہ میں ہر فرد کو ـــ چاہے وہ شوہر ہو یا بیوی ـــ اللہ کی ناراضگی سے بچتے رہنا چاہیے۔ اس باریک بیں نگاہ سے تو ہماری کوئی حرکت اور رویّہ پوشیدہ نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کی بنیاد تقویٰ پر ہونی چاہیے۔

دُنیا اور آخرت میں کامیاب ہونا موقوف ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر

موقع اور محل کے پیشِ نظر اس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ اگر تم عائلی زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانا چاہتے ہو تو پھر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ خاندان کے افراد یا رشتہ داروں کے درمیان اگر اختلاف یا جھگڑا ہو جائے تو تم کسی فریق کی بے جا حمایت نہ کرو۔ بلکہ ہمیشہ اور ہر معاملہ میں تم معقول اور سیدھی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے اعمال درست کر دے گا۔

نکاح سے پہلے لازماً خطبہ ہونا چاہیے۔ اور بھری محفل میں اس کے مضمون کی وضاحت بھی کرنا چاہیئے لیکن اگر کسی وجہ سے خطبہ نہ ہو سکے تو نکاح کے صحیح اور جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

بٹے کی شادی

(۱۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الشِّغَارِ ــــــ وَالشِّغَارُ اَنْ یُّزَوِّجَ الرَّجُلُ اِبْنَتَہٗ عَلٰٓی اَنْ یُّزَوِّجَہُ الْاٰخَرُ اِبْنَتَہٗ وَلَیْسَ بَیْنَھُمَا صَدَاقٌ۔ (بخاری عن ابن عمر کتاب النکاح۔ مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شغار" سے روکا ہے۔ شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی سے دوسرے آدمی کا نکاح کر دے اس شرط پر کہ وہ (دوسرا آدمی) اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دے اور ان میں سے کسی شخص کے ذمہ اپنی بیوی کا مہر نہ ہو۔

تشریح: جاہلیت کے زمانہ میں اس طرز کے نکاح کا رواج تھا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ خالد نے اپنی بہن (یا اپنی کسی عزیزہ) سے زید کا نکاح کر دیا اس شرط پر کہ زید نے بھی اپنی بہن (یا اپنی کسی عزیزہ) سے خالد کا نکاح کر دیا ہے۔ اور ان میں سے کسی شخص نے بھی اپنی بیوی کا مہر مقرر نہیں کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خالص بٹے کے نکاح سے روکا ہے۔ علمائے امت کا اس کے عدمِ جواز پر اتفاق ہے لیکن فقہاء نے یہ بحث کی ہے کہ اگر دو آدمی اس خالص بٹے کے نکاح کا معاہدہ کر کے اس کو عملی جامہ پہنا دیتے ہیں تو شرعاً اس نکاح کی کیا حیثیت ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح تو ہو جائے گا لیکن مہر ادا نہ کرنے کی شرط لغو ہے اس لیے ان میں سے ہر شخص اپنی بیوی کو مہرِ مثل ادا کرے۔

بعض خاندانوں میں نکاح کی یہ صورت بھی رائج ہے کہ ایک آدمی اپنی بہن سے دوسرے آدمی کا نکاح کردے اس شرط پر کہ وہ (دوسرا آدمی) اپنی بہن سے اس کا نکاح کردے۔ اور ہر شخص دستور کے مطابق اپنی بیوی کا مہر بھی ادا کرے۔ ہر شخص اپنی خوشی سے مہر طے کرکے ادا کرتا ہے۔ اور شادی بھی کرلیتا ہے۔ قانون کی رو سے یہ نکاح منعقد ہوجائے گا۔ لیکن اخلاقی لحاظ سے بٹے کی ایسی شادیوں کے سر پر تباہی اور خانہ بربادی کی تلوار سایہ فگن رہتی ہے۔ اور اس سے خاندان میں بڑی خرابیاں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً: اگر ایک فریق نے حالات سے مجبور ہوکر یا بدنیتی سے اپنی بیوی کی پٹائی کردی ہے یا اسے طلاق دی ہے تو دوسرا فریق بھی جذبۂ انتقام کے تحت ویسا ہی سلوک کرنے پر مجبور ہوگا، خواہ اس کے گھریلو حالات ازحد خوشگوار اور قابلِ رشک ہوں۔ اگر وہ اس بدسلوکی پر آمادہ نہ ہوگا تو اس کے والدین اور خاندان کے دوسرے افراد اس پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ لازماً یہ طرزِ عمل اختیار کرے۔

دو خاندانوں میں مستقل کشیدگی اور نزاع شروع ہوجائے گا۔ علاوہ ازیں اس کے نتیجہ میں چند معصوم بچے بھی اطمینان سے اپنے گھر میں نہ رہ سکیں گے۔ کسی بے گناہ خاتون پر مشقِ ستم کرنے یا اسے طلاق دینے سے کیا خرابی رونما ہوگی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو کسی عقلمند سے پوشیدہ نہیں ہے اس لیے اس طرح کے نکاح سے پرہیز کرنا چاہیے۔

خاندانی منصوبہ بندی

(۱۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ۔

(مشکوٰۃ عن معقل بن یسار کتاب النکاح بحوالہ ابوداؤد و نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بہت پیار کرنے والی، زیادہ بچے جننے والی سے شادی کرو۔ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے کہہ سکوں گا کہ میرے پیروکاروں کی تعداد دوسری امتوں سے زیادہ ہے۔

تشریح: (۱) اصل واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ ایک اونچے خاندان کی مالدار اور خوبصورت عورت مجھ سے شادی کرنے

پر آمادہ ہے، لیکن ہے وہ بانجھ۔ کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ پھر وہ دوبارہ حاضر ہوا اور یہی بات کہی، آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں تیسری بار حاضر ہوا، تو آپ نے اس سے فرمایا: تم ایسی عورت سے شادی کرو جو شوہر سے بہت پیار کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو۔ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے کہہ سکوں گا کہ میرے پیروکاروں کی تعداد دوسری امتوں سے زیادہ ہے۔

(۲) یہ خاتون مطلقہ تھی۔ اس کے بانجھ پن کی وجہ سے پہلے شوہر سے اس کو اولاد نہ ہو سکی۔ اس نوجوان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی دوسری خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کے ایک خاص نقص —— بانجھ پن —— کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ دنیا بھر کے لوگ اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں —— اس دَور میں بھی تھے اور اب بھی ہیں —— کہ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہو۔

(۳) آپؐ نے اس نوجوان کو مشورہ دیا کہ تم ایسی عورت سے شادی کرو جو شوہر سے بہت پیار کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو۔ ظاہر بات ہے کہ یہ صفت عموماً کنواری لڑکی میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بیوی اور شوہر کی باہمی محبت سے "خانہ آبادی" کے نظام کی تکمیل ہوتی ہے۔ اپنے شوہر کو بہت زیادہ چاہنے والی لڑکی اپنے بناؤ سنگھار سے شوہر کی نگاہ میں زیادہ سے زیادہ جاذب اور دلکش بننے کی کوشش تو کرتی ہے، لیکن اس کی نگاہ آوارہ نہیں ہوتی اور اس کی عفّت کا دامن بے داغ ہوتا ہے۔

(۴) زیادہ بچوں کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ افراد کی کثرت اور قوت سے "ملت" مستحکم ہوتی ہے۔ غیر شادی شدہ مسلمان امّتِ مسلمہ کا ایک فرد ہے۔ لیکن جب وہ شادی کرکے مثلاً چھ بچوں کا باپ بن جاتا ہے، تو امّتِ مسلمہ میں وہ مزید چھ افراد کا اضافہ کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثیر الاولاد ہونے کو پسند فرمایا ہے، بلکہ آپؐ نے اپنے امتیوں کو اس کی ترغیب دی ہے۔ —— اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کی نسل بڑھے گی تو آپؐ کی امّت کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ اس لیے چاہا گیا ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرکے حضورؐ کی امّت کی افرادی قوت کو بڑھائیں۔ تاکہ اس کی تعداد دوسری امّتوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہو۔ اور یہ مقصد

صرف اس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے امّتی ان عورتوں سے شادی کریں جو زیادہ بچّے پیدا کرتی ہیں۔

(۵) عہدِ حاضر کے ذہین ملحدوں نے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے ——— بہت سے سادہ لوح مسلمان ان کے دامِ فریب میں گرفتار بھی ہو جاتے ہیں ——— کہ زیادہ بچّے معاشی خوشحالی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اگر تم معاشی بدحالی اور پسماندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے خاندان کی منصوبہ بندی" کرو۔

یہ خبیث فلسفہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جاہلیت کے دَور میں رائج تھا۔ تنگدستی اور افلاس کے ڈر سے بچوں کو" زمین میں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ آپؐ نے لوگوں کو اس سے روکا۔ ربِّ کائنات نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ہدایات نازل کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم "افلاس کے ڈر سے اپنے بچّوں کو قتل نہ کرو۔ تمہارا رزق ہمارے ذمّہ ہے، اور تمہاری اولاد کا رزق بھی۔ پھر یہ فلسفہ ذرا ترقی کر کے "اسقاطِ حمل" کی تحریک بن کر نمودار ہوا۔ اب اس شیطانی فلسفہ نے مانعِ حمل ادویات اور آلات کے ذریعہ "خاندان کی منصوبہ بندی" کا ڈھونگ رچا کر بدکاری اور بے حیائی کے کاروبار کو بامِ عروج تک پہونچا دیا ہے۔

(۶) اس دور کے ترقی یافتہ ممالک، پاکستان اور دوسرے مسلمان ملکوں میں اس تحریک کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کے غم میں مبتلا کیوں ہیں؟

ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے ہیں۔ اوّلاً وہ جانتے ہیں کہ نبیؐ عربی کی امّت بڑی سخت جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس کا نصب العین ہے۔ یہ ملّت اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود اگر کسی وقت بھی بیدار ہو کر "جہاد کرنے" پر کمربستہ ہوگئی تو پھر باطل کو دنیا میں سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہ مل سکے گی۔ اس لیے "افرادی قوت کی کمی اور کمزوری" سے یہ سخت جان ملّت، جہاد کے فولادی جذبہ سے دستبردار ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اپنے خصوصی فنڈز سے لاکھوں ڈالر خرچ کر کے بھی مسلمانوں کو اس " شیطانی فلسفہ" کی طرف رغبت دلاؤ۔ ثانیاً اس ملّت کے نوجوانوں کو براہِ راست الحاد، بے دینی اور کمیونزم کی طرف دعوت دینا آسان نہیں ہے۔ لیکن ان کو ریڈیو، ٹی وی، فلم اور فحش لٹریچر کے ذریعہ جنسی بے راہ روی

اور اخلاقی انار کی کی چاٹ لگادو۔جب شرم و حیا کا بندھن ٹوٹ جائے تو پھر انہیں بدکاری اور جنسی آوارگی کے جہنم میں آسانی سے دھکیلا جا سکتا ہے۔لیکن معاشرہ مسلمانوں کا۔اس لیے ناجائز حمل" کا ڈر رکاوٹ بن سکتا ہے۔اس کا علاج خاندانی منصوبہ بندی کے خوبصورت اور جاذب توجہ "نسخہ" سے ہو سکتا ہے۔جب نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو استقرار حمل کا اندیشہ نہ ہوگا تو وہ اسلام کے نظام اخلاق و معاشرت سے عملاً بغاوت کر دیں گے۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس وادی میں پہنچ جائیں گے جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔

(۷) اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ شاید بانجھ عورت سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان کو بانجھ عورت سے نکاح کرنے سے روکا تھا۔اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ آپؐ افرادِ امّت کی کثرت کی تمنّا رکھتے تھے۔داعی الی الخیر کی سب سے بڑی تمنّا تو یہ ہوتی ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہر شخص کو اللہ کا بندہ اور فرمانبردار بنانے کی اور دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی جو دل میں تڑپ رکھتے تھے ——— آپ اسے "بے تاب تمنّا" کا عنوان دے سکتے ہیں ——— وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔آپؐ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا ——— جیسا کہ آپؐ نے خود ہی فرمایا ——— کہ تم ان عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ سے زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہوں تاکہ آپؐ کی امّت کے افراد میں غیر معمولی اضافہ ہو اور آپؐ قیامت کے دن کہہ سکیں کہ میری امّت کی تعداد دوسری امّتوں سے بہت زیادہ ہے۔

یہ وضاحت ہم نے اس لیے کی ہے کہ "خاص موقع پر فرمائی ہوئی بات" کا مطلب سمجھنے میں کسی کو مغالطہ نہ ہو، کیونکہ اسلام میں کسی عورت کو ——— کسی عذر شرعی کے بغیر ——— مجرد رہنے کی اجازت نہیں ہے، چاہے وہ "ولود" ہو یا بانجھ۔

نکاح اور باجہ

(۱۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدَّفُّ وَالصَّوْتُ فِی النِّکَاحِ۔

(نسائی عن محمد بن حاطب کتاب النکاح۔ ترمذی ابواب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام کے درمیان حد فاصل نکاح میں باجہ اور آواز کا ہونا ہے۔

تشریح: زنا اور نکاح کے فرق یا امتیاز کا انحصار صرف باجہ اور آواز پر نہیں ہے۔ یہ تو عقدِ نکاح کے وقت گواہوں کی موجودگی سے بھی ہوجاتا ہے، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم نکاح کے معاہدہ کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کرو یہاں تک کہ اس کی خبر دور دراز علاقوں تک پہنچ جائے۔ دُور و نزدیک کے رشتہ داروں اور جاننے والوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فلاں لڑکے نے فلاں لڑکی سے شادی کی ہے کیونکہ مرد اور عورت کا باہمی رضامندی سے جسمانی رابطہ قائم کرنے کا عمل نکاح اور زنا میں مشترک ہے، اب کوئی ایسا طریق کار لازمًا ہونا چاہئے تھا جس سے معلوم ہوسکے کہ مرد اور عورت کا باہمی ملاپ، زنا کے نتیجہ میں ہوا ہے یا یہ نکاح کے معاہدہ کی عملی شکل ہے؟ قدیم زمانہ سے نکاح کو زنا ممیّز کرنے کے لئے یہ اصول رائج رہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے نظر انداز نہیں فرمایا کہ نکاح کے معاہدہ کا زیادہ سے زیادہ پرچار کیا جائے۔ جہاں تک بھی ممکن ہو اس کی خبر ہر کان میں پہنچے، بلکہ باجوں کی آواز سے اُسے اور زیادہ مشہور اور مستحکم کردیا جائے۔

"نکاح میں آواز" ہونے کے معنی یہ ہیں کہ محفلِ نکاح کے شرکاء ایجاب و قبول کے بعد دولہے میاں کو بڑے زور شور سے مبارکباد دے کر اپنی مسرّت کا اظہار کریں۔ اس موقع پر ڈھولکی یا نقّارہ بجا کر نکاح کے اعلان کو مکمل کیا جائے۔

اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح کی تقریب پر سنجیدہ اور اچھے اشعار گا کر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ اور نکاح کی خبر کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے ڈھولک یا نقّارہ کا استعمال کیا جائے۔

یہ بات دھیان میں رہے کہ آج کل شادی بیاہ کے موقع پر بڑے زور شور سے جو فحش فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے وہ قطعًا حرام اور ناجائز ہے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ شادی کی خبر کو دُور دُور تک پھیلانے کے لیے ڈھولک یا نقّارہ بجانا جائز ہے۔

رشحات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) جو شخص نکاح کی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اُسے لازمًا نکاح کرنا چاہیے

(۲) جو شخص اس کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا ہو، وہ ضبطِ نفس کے لئے بار بار روزے رکھے۔

(۳) نکاح کرنا اور انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنا تقوٰی کے خلاف نہیں، بلکہ سنتِ رسولؐ ہے۔

(۴) اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لیے نکاح نہ کیا جائے۔

(۵) غیر شادی شدہ عورت کے لئے جب موزوں رشتہ میسر ہو تو اس کے سرپرست کو چاہیے کہ وہ بہت جلد اس کی شادی کی فکر کرے۔

(۶) مؤمن کو شادی کے لئے اس بیوی کا انتخاب کرنا چاہیے جو دیندار ہو، چاہے کوئی دوسری خوبی اس میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔

(۷) جس لڑکے کی دینی اور اخلاقی حالت قابلِ اعتماد ہو اس کے پیغامِ نکاح کو نہ ٹھکرانا چاہیے۔

(۸) مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام نہ دے، اِلّا یہ کہ وہ اس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔

(۹) جو شخص کسی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اگر ممکن ہو تو وہ اسے غور سے دیکھ لے۔

(۱۰) نکاح سے پہلے فریقین کو ایک دوسرے کی اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور دینی حالت معلوم کرنے کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ ایک دوسرے کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے لئے یہ ضروری بھی ہے۔

(۱۱) نکاح کے خطبہ میں بیوی اور شوہر کے حقوق اور ذمّہ داریوں کی وضاحت کرنی چاہیے۔

(۱۲) بیٹے کی شادی فساد کی جڑ ہے۔

(۱۳) اسلام میں خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف ذہین ملحدوں کی سازش ہے۔ اس سے فحاشی اور بے حیائی پھیلتی ہے۔

(۱۴) شادی کی تقریب پر فلمی گانوں کی ریکارڈنگ گناہ ہے۔ البتہ نکاح کے معاہدہ کی تشہیر کے لئے نقارہ یا ڈھولک بجانے کی اجازت ہے۔

باب اوّل

(۲)

مَہر

مہر

(۱۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ۔

(بخاری عن عقبۃ بن عامر کتاب الشروط۔ کتاب النکاح، مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو ان میں سے وہ شرط پوری کی جانے کی سب سے زیادہ حقدار ہے جس کی وجہ سے تم عورتوں کی عصمت کے مالک بنتے ہو۔

تشریح: مرد کے لئے عورت سے جسمانی رابطہ قائم کرنا اسوقت حلال ہوتا ہے جبکہ وہ مہر کی شرط کو مان کر نکاح کا اقرار کرے۔ نکاح کی دوسری شرطوں میں سے اس شرط کو پورا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس معاملہ میں بڑی تاکید فرمائی ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔

(النساء آیت ۴)

اور تم ان کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔

افسوس ہے کہ جھوٹے وقار کی خاطر "مہر" کی بہت بڑی مقدار کا اندراج کاغذ میں تو ہو جاتا ہے، لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات ناممکن ہوتا ہے۔ دراصل نظریہ یہ ہوتا ہے کہ کس نے دینا ہے؟ اور لے گا کون؟

جو نکاح اس نیت سے کیا جائے کہ اس کا مہر ادا نہیں کرنا وہ عند اللہ فاسد ہے۔ مرد اور عورت رضامندی سے مہر کی جتنی مقدار پر متفق ہو جائیں اس کا ادا کرنا مرد پر لازم ہے۔

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی ان کہی شرطیں ایسی بھی ہیں جو عقد نکاح سے شوہر اور بیوی پر خود بخود لازم ہو جاتی ہیں۔ یہ شرطیں لازماً پوری کی جانی چاہییں۔ مثلاً:

مرد

(۱) بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا۔

(۲) اپنی استطاعت کے مطابق، اس کے لباس

(۳) خوراک اور

(۴) رہائش کا انتظام کرے گا۔

(۵) اور اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

بیوی

(۱) اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرے گی۔

(۲) اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے گی۔

(۳) اپنی عفت کی نگہبانی کرے گی۔

(۴) اس کی جائیداد میں اس کی مرضی کے بغیر تصرف نہ کرے گی۔

(۵) اور کسی ایسے آدمی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے گی جس کا آنا اس کے شوہر کو ناگوار ہو۔

نکاح میں صرف ان شرطوں کی پابندی لازم ہے جو نکاح کے معاہدہ کی روح اور مقصد سے ہم آہنگ ہوں، رہیں وہ شرطیں جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہوں، یا جو نکاح سے حاصل ہونے والے برکات اور فوائد سے محروم کرنے والی ہوں تو ایسی لغو شرطوں کو عقد کے وقت ماننا ہی نہ چاہیئے اور اگر سوئے اتفاق سے ان شرطوں کو پورا کرنے کا معاہدہ ہو جائے تو ان کی پابندی نہ کی جائے۔ مثلاً:

یہ کہ مرد کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اسے اس کے گھر سے کہیں باہر نہ لے جائے گا۔

یا اس جگہ سے نقل مکانی کر کے اسے کسی دوسرے شہر میں نہ لے جائے گا یا وہ کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا۔

ازواجِ مطہرات کا مہر

(۱۸) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَمْ کَانَ صَدَاقُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ کَانَ

صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشٌّ قَالَتْ أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ قُلْتُ، لَا، قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ، فَهٰذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَزْوَاجِهِ۔

(مسلم کتاب النکاح ۔نسائی کتاب النکاح ۔ابوداؤد کتاب النکاح)

ابوسلمہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے سوال کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا مہر دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی پانچسو درہم مہر دیا تھا۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ "جاہلیت" کے زمانہ میں نکاح کے "مہر" کو کیا اہمیت حاصل تھی اور کیوں؟

عرب معاشرت میں نکاح کے لئے "مہر" کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ نکاح دراصل مرد اور عورت کے درمیان ایک عمرانی معاہدہ ہے، گھر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس "عائلی ریاست" کا آغاز دو افراد —— مرد اور عورت —— کے نکاح سے ہوتا ہے۔ اس کا مکمل فائدہ تو اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ اس ریاست کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنے اور تعاون کرنے کے لئے خلوصِ دل سے آمادہ ہو۔ عورت تو اپنے آپ کو پوری طرح مرد کے سپرد کر دینے اور اُسے اپنی عصمت کا مالک بنا دینے سے اس تعاون کا عملی ثبوت مہیّا کرے اور مرد اپنی جائیداد کا ایک قابلِ لحاظ حصّہ "مہر" کی شکل میں عورت کو ادا کر کے اپنی آمادگی اور دلچسپی کا اعلان کرے۔

ازدواجی زندگی —— جو کہ ایک چھوٹی سی مملکت کو جنم دیتی ہے —— میں نگرانی اور نظم و نسق کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے۔ قوّام ہونے کی حیثیت سے نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ شوہر اگر کسی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یہ "مہر" اس کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو۔ اگر وہ اپنی ازدواجی زندگی کو ختم کرنے کا اقدام کرے گا تو اس کے نتیجہ میں بیوی تو جائے گی ہی، لیکن اس کے علاوہ اسے اپنی جائیداد کے اس حصہ کے ضائع ہو جانے کا رنج اور افسوس بھی ہوگا جو اس نے مہر کی صورت میں اپنی بیوی کو دیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ "مہر"

گھر کے نظم ونسق کو تہ وبالا کرنے میں کافی حد تک رکاوٹ بنتا ہے۔

اگر مرد گھر کے نظام کو تہ وبالا کرنا چاہے ——— طلاق دے کر —— تو وہ معاشی خسارے کے ڈر سے گھر کے نظم ونسق کو برباد کرنے کی جسارت نہ کر سکے گا۔ معاشرتی زندگی میں نکاح کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس کا باقاعدہ اہتمام ہو۔ اسے سنجیدگی اور وقار کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اس کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ مرد عورت کی عصمت کا مالک بننے کا معاوضہ ادا کرے۔ جس چیز کا معاوضہ "مال" دے کر ادا کیا جائے اس کے وقیع ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

عام طور پر لوگوں کو سب سے زیادہ محبت اور دلچسپی "مال ودولت" سے ہوتی ہے اس کے حصول کے لیے وہ اپنی ساری صلاحیتوں اور قوتوں کو کھپا دیتے ہیں، بلکہ اس کے عشق میں وہ اپنی تندرستی اور صحت کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

نکاح کے اہتمام کے اس مظاہرے سے، عورت کے سرپرستوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں کہ داماد مہر ادا کر کے ان کے جگر کے ٹکڑے کی عصمت کا مالک ہو رہا ہے۔

مہر کا تعین سرپرستوں کی رضامندی اور بہت بڑے اجتماع میں مرد اور عورت کے نکاح کا معاہدہ یہ تینوں چیزیں مل کر نکاح کو زنا سے ممیز کرنے والی ہیں"۔

نکاح کے اہتمام کے سلسلہ میں ہم نے جس رسم کی نشاندہی کی ہے یہ کوئی عرب جاہلیت کے ساتھ خاص نہیں تھی، بلکہ کم وبیش دنیا بھر کی سب قوموں میں یہ دستور پایا جاتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہلیت کے دور میں لوگ نکاح میں "مہر" کو بہت ضروری قرار دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس رسم کو جوں کا توں برقرار رکھا، پھر آپؐ نے مہر کی کوئی ایسی مقدار متعین نہیں فرمائی جس میں کمی یا بیشی نہ کی جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی ایسی مقدار مقرر نہیں فرمائی جس سے گھٹانا گناہ ہو اور آپؐ نے کم از کم اس کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں کی جس سے بڑھانا جائز نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کی قدر وقیمت کے مظاہرہ کے سلسلہ میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں۔ ہر شخص اپنی افتادِ طبع کے مطابق اس سے دلچسپی لیتا ہے۔ معاشی حالات کے تفاوت کی وجہ سے بھی ہر شخص کا رجحان

ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بالکل دوٹوک انداز میں، مہر کی مقدار کا تعین، ناممکن ہے، جیساکہ نفیس اور دل پسند چیزوں کی قیمت پر ہمیشہ کنٹرول نہیں ہو سکتا اسی طرح لوگوں کو بھی مہر کی خاص مقدار کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ شرعاً مہر کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں کی جا سکتی کہ لوگ بلا استثناء اپنے نکاح کا مہر نہ تو اس سے کم مقرر کریں اور نہ اس سے زیادہ دیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کو مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی دی تھی جو کہ ہمارے زمانہ کے اوزان کی رُو سے ۱۳۱ تولہ کے برابر ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ بالعموم مالی لحاظ سے جو حیثیت رکھتے تھے اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ متوسط درجہ کی آمدنی رکھنے والوں کے لیے مہر کی یہ مقدار موزوں اور مناسب تھی اس لیے آپؐ نے جس عورت سے نکاح کیا اس کو ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مہر میں ادا کی۔ رہا امّ المؤمنین حضرت امّ حبیبہؓ کے مہر کی مقدار کا معاملہ تو بلاشبہ اس سے بہت زیادہ تھا۔ ان کا مہر چار ہزار درہم نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر کیا تھا اور نہ آپؐ نے ادا کیا تھا، بلکہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپؐ کی خوشنودی اور احترام کی خاطر مہر کی یہ رقم اپنی جیب سے ادا کر کے حضرت ام حبیبہؓ سے آپؐ کا نکاح کر دیا تھا۔

مہر باندھنے میں غلو نہ کرو

(۱۹) قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَلَا لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَآءِ فَاِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا اَوْتَقْوٰى عِنْدَ اللّٰهِ لَكَانَ اَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَآئِهٖ وَلَا اَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهٖ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ اُوْقِيَّةً۔

(ترمذی عن ابی العجفاء ابواب النکاح، ابوداؤد کتاب النکاح، نسائی کتاب النکاح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنی ایک تقریر میں) فرمایا: سنو! تم عورتوں کے بھاری بھاری مہر مقرر نہ کیا کرو۔ اگر دنیا میں یہ عزت و شرف کا باعث ہوتا یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پرہیزگاری قرار پاتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے یہ نہیں جانتا کہ آپؐ نے اپنی کسی بیوی کو بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر دیا ہو یا اپنی کسی صاحبزادی کا مہر اس سے زیادہ مقرر فرمایا ہو۔

تشریح : "بارہ اوقیہ" اور "ساڑھے بارہ اوقیہ" کے وزن میں جو تھوڑا سا تفاوت ہے اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ عام طور پر اعداد و شمار میں کسر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر کے سلسلہ میں لوگوں کو سادگی کی تلقین فرمائی ہے۔ جو لوگ بھاری مہر ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں وہ ناک کو اونچا رکھنے کے لیے بھاری بھرکم مہر باندھنے کی حماقت نہ کریں۔ بھاری بھاری مہر کی جکڑ بندی معاشرے کی عفت کے لیے خطرہ بن سکتی ہے اور اطمینان کو بھی چھین لیتی ہے۔ اس میں عموماً نمود و نمائش کے جذبہ کی کارستانی ہوتی ہے۔ شرعاً مہر کی کوئی خاص مقدار یا حد مقرر نہیں ہے لیکن قرآن اور سنت کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مہر باندھنے میں شوہر اور بیوی کی حیثیت اور استطاعت کا لحاظ کیا جائے، دباؤ یا نمائش کی خاطر جو لوگ بھاری بھرکم مہر کا بوجھ لادنے کی کوشش کرتے ہیں وہ معاشرے کے توازن کو بگاڑنے کے مجرم ہیں۔ شوہر صرف اس مہر کا اعتراف کرے جسے وہ آسانی سے ادا کر سکے، نادان اور ظالم ہے وہ شخص جو ادا کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرنے کی غرض سے ناقابلِ برداشت مہر کی دستاویز لکھ دیتا ہے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا:

"تم عورتوں کے مہر چالیس اوقیہ سے زیادہ نہ باندھو جس نے اس سے زیادہ مہر پر کسی عورت سے نکاح کیا میں چالیس اوقیہ سے اوپر جس قدر زیادہ مال ہے اس کو بیت المال میں داخل کر دوں گا۔

یہ سُن کر ایک خاتون نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کو تو اس کا اختیار نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں؟

وہ بولی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝

(النساء آیت ۲۰ - ۲۱)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے۔؟ اور آخر تم اسے کس طرح لے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کو مہر میں ڈھیر سا مال (قنطار) بھی دے سکتے ہو اور آپؓ نے مہر کی مقدار (۴۰ اوقیہ) محدود اور متعین کر دی ہے جو کہ صریحًا قرآن کے خلاف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مرد نے غلطی کی اور عورت نے صحیح رائے قائم کی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پہلی اور دوسری تقریر قرآن کے خلاف ہے جن میں وہ مسلمانوں کو بھاری بھاری مہر باندھنے سے منع فرما رہے ہیں اور اس کے برعکس قرآن نے اس سے نہیں روکا، بلکہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو مہر میں ڈھیر سا مال بھی دیا ہے تو اُسے حکم دیا ہے کہ تم نے اگر اُسے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس سے کچھ بھی واپس نہیں لینا۔

دراصل حضرت عمرؓ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ "افضلیت" بھاری بھاری مہر نہ باندھنے میں ہے، اس کے "جائز" ہونے میں تو حضرت عمرؓ کو بھی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نگاہ میں متقیانہ روش یہ ہے کہ بھاری بھاری مہر مقرر نہ کرو، فضیلت زیادہ مہر مقرر کرنے میں نہیں، بلکہ تھوڑا مہر باندھنے میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی اس رائے سے رجوع فرما لیا جو کہ آپ نے مہر کی مقدار کو محدود کرنے کے سلسلہ میں ظاہر فرمائی تھی۔ اگر وہ اپنی اس رائے کو نافذ کر دیتے تو اسلامی حکومت میں اسے قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی۔

دورِ رسالت کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ اور کتاب و سنت کے ماہرین کی موجودگی میں اگر خلیفۂ راشد کی اس بات کا نوٹس نہ لیا جاتا، اور اسے سُن کر سب خاموش ہو جاتے

تو ان کی یہ رائے قانون کا درجہ حاصل کر لیتی۔ لیکن قرآن کو جاننے والی ایک خاتون نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کو چیلنج کر دیا۔ خلیفۂ راشد نے اپنی غلطی کا برملا اعتراف کیا اور مہر کی مقدار کو معین کرنے کے متعلق اپنی رائے واپس لے لی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خلیفۂ راشد تھے، کوئی عہد حاضر کے بے لگام آمر تو تھے نہیں کہ قرآن سے اختلاف کرنے کی جسارت کر ڈالتے۔

حضرت عمرؓ کی تقریر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ چالیس اوقیہ سے بھی زیادہ پر مہر باندھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو کتنا مہر دیا تھا اور آپؐ کی صاحبزادیوں کے نکاح پر کتنا مہر مقرر کیا گیا تھا۔؟ مہر بندی کے سلسلہ میں دوسرے لوگوں کا رویہ بھی آپ کی نگاہ میں تھا اس لیے آپ نے پہلی تقریر میں تو صرف یہ ارشاد فرمایا کہ "

لوگو! عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو مہر میں بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں دیا۔ اور آپ نے اپنی کسی صاحبزادی کے نکاح کا مہر اس سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا۔

دوسری تقریر میں آپ نے فرمایا:

"تم کسی عورت کے نکاح کا مہر چالیس اوقیہ سے زیادہ ادا نہ کرو۔"

اس سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کو مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ (۱۳۱ تولہ چاندی) دیے تھے۔ وہ اس دور کے درمیانہ طبقہ کے معیار سے بھی کافی حد تک کم تھا۔ آپؐ کی تین صاحبزادیوں کا مہر بھی یہی تھا لیکن آپؐ کی آخری صاحبزادی سیّدہ فاطمہؓ کو حضرت علیؓ نے کتنا مہر دیا تھا، اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں

۱۔ چار سو مثقال چاندی یعنی ایک سو پچاس تولہ۔

۲۔ چار سو درہم یعنی ایک سو پانچ تولہ چاندی۔ (مرقاۃ لعلی القاری جلد ۶ صفحہ ۲۴۶)

مہر کی مقدار

(۲۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَفِي الْقَوْمِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ قَامَتْ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا قَدْ

وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتِ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنْكِحْنِيهَا قَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَ لَا. قَالَ اِذْهَبْ فَاطْلُبْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَذَهَبَ فَطَلَبَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ؟ قَالَ مَعِي سُوْرَةُ كَذَا قَالَ اِذْهَبْ فَقَدْ أَنْكَحْتُهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

(بخاری کتاب النکاح باب التزویج علی القرآن مسلم کتاب النکاح)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا جب ایک عورت اٹھی اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپؐ کے لیے اپنی ذات کو ہبہ کرتی ہوں میرے متعلق حضور کی رائے کیا ہے؟ آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس خاتون نے دوبارہ اٹھ کر اپنی درخواست کا اعادہ کیا۔ آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، وہ خاتون تیسری بار اٹھی اور اپنی درخواست پیش کی، تو ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اس سے میرا نکاح کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ (یعنی اسے مہر میں کیا دوگے؟) اس نے کہا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جا کر تلاش کرو (لاؤ) اور کچھ نہیں تو لوہے کی انگوٹھی سہی۔ جا کر اس نے ڈھونڈا۔ واپس آکر عرض کیا: حضورؐ! مجھے کوئی چیز نہیں ملی یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی مہیا نہیں کر سکا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تمہیں قرآن کا کچھ حصہ یاد ہے؟ وہ بولا ہاں: فلاں اور فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: جا، میں نے قرآن کی ان سورتوں کے بدلے اس عورت سے نکاح کر دیا۔

تشریح: مندرجہ بالا واقعہ کے سلسلہ میں محدثین نے جو روایات بیان کی ہیں ان کا مختصر خلاصہ یہ ہے:

ایک عورت نے ـــــ جب کہ مسجد نبوی میں بہت سے لوگ آپؐ کے پاس بیٹھے تھے ـــــ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مہر کے بغیر آپؐ سے شادی کرنا چاہتی ہوں، آپؐ نے اُسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور سر جھکا لیا، اسے کوئی جواب نہ دیا۔ جب اس نے دوسری بار اپنی درخواست دہرائی تو آپؐ خاموش ہو گئے۔ جب اس نے تیسری بار اپنی درخواست کا اعادہ کیا تو آپؐ نے بالکل خاموشی اختیار فرمالی۔ اور بعض روایات کے مطابق آپؐ نے فرمایا: مجھے عورتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال آپؐ کے رویّہ سے اس عورت نے محسوس کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے شادی کا ارادہ نہیں رکھتے، اس کے باوجود وہ بیٹھی رہی، ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا حضور! اگر آپؐ کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس سے میری شادی کر دیجئے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: اس کو مہر میں دینے کے لئے تیرے پاس کچھ مال بھی ہے؟ وہ بولا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

گھر والوں کے پاس جا کر دیکھو، کچھ مل سکتا ہے؟ وہ گیا، لوٹ آیا اور بتایا کہ حضور! مجھے کچھ نہیں ملا۔ آپؐ نے پھر فرمایا: جاؤ! اگر کچھ بھی نہیں ہے تو پھر لوہے کی انگوٹھی ہی لا کر دو۔ وہ گھر جا کر لوٹ آیا اور کہا میرے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے یہاں تک کہ میں (پوری کوشش کے باوجود) لوہے کی انگوٹھی بھی مہیّا نہیں کر سکا ہوں۔ لیکن یہ میرا تہبند حاضر ہے۔ اس عورت کو مہر میں آدھا تہبند دے دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا: تیرا تہبند کس کام کا ہے۔ اگر تو اسے پہنے گا تو تیری بیوی برہنہ ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اسے پہن لیا تو پھر تم کیا پہنو گے؟ (اس کے بعد) وہ آدمی کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا، پھر (مایوس ہو کر) چل پڑا۔ آپؐ نے اُسے بلا بھیجا وہ آیا تو آپؐ نے اس سے پوچھا، قرآن کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے؟ وہ بولا ہاں، مجھے فلاں سورۃ اور فلاں سورۃ یاد ہے۔ اس نے ان چند سورتوں کے نام بھی بتائے جو اُسے یاد تھیں۔ مثلاً: سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران یا سورۃ بقرہ اور مفصل کی سورتیں) آپؐ نے اس سے فرمایا جا، قرآن کی جو سورتیں تمہیں یاد ہیں میں نے ان کے بدلے اس عورت سے تیرا نکاح کر دیا۔ تو اس کو یہ سورتیں سکھا دے۔

اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ اور حسبِ ذیل چیزیں مہر میں دی جا سکتی ہیں:

(۱) نہایت معمولی اور حقیر چیز جس کی قیمت بہت تھوڑی ہو۔ مثلاً لوہے کی انگوٹھی۔

(۲) جس چیز سے آزاد آدمی کو نفع حاصل ہو۔ مثلاً: ابو طلحہ کا اسلام، امّ سلیم سے نکاح کا مہر قرار پایا۔ (نسائی کتاب النکاح)

(۳) ہر وہ کام جس کی اُجرت لینا جائز ہو۔

(۴) قرآن مجید کی تعلیم۔

قرآن کی تعلیم ایک ایسا اہم معاملہ ہے جس میں لوگ دلچسپی لیتے ہیں، اور اس کی طلب بھی رکھتے ہیں جیساکہ لوگوں کو مال سے بیحد دلچسپی اور رغبت ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے طلبگار بھی ہوتے ہیں، اس لئے قرآن کی تعلیم کو مال کا قائم مقام قرار دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ تو مہر کی کوئی خاص مقدار متعین فرمائی کہ لو، یہ ہے اس کی "مقدار" کوئی شخص عورت سے نکاح میں لازماً اس قدر مہر باندھے اور نہ آپؐ نے اس کی حد مقرر فرمائی کہ اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار یہ ہے لہٰذا تم اس سے زیادہ مہر نہ باندھو یا اس کی کم از کم مقدار یہ ہے، اس لیے کوئی شخص اس سے کم مہر مقرر نہ کرے، بلکہ آپؐ نے مہر کی تعیین لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دی ہے کہ وہ اپنی عادات، رجحانات اور معاشی حالات کی روشنی میں خود ہی مہر کا فیصلہ کریں۔ البتہ اس سلسلہ میں آپؐ کے مجموعی طرزِ عمل اور ارشادات سے کچھ ایسی "اصولی ہدایات" ہمارے سامنے آتی ہیں جن کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) مہر میں "مال" دیا جائے یا ایسی چیز ہو جو مال ہی کی طرح دلچسپ اور محبوب ہو۔

(۲) مہر کی مقدار خوش دلی سے مقرر کی جائے، اس میں کسی قسم کا دباؤ یا جبر نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) نمود و نمائش یا بڑے پن کے مظاہرہ کے لئے بھاری بھاری مہر نہ باندھا جائے۔

(۴) "مہر" ادا کرنے کی نیت سے باندھا جائے، یہ نہ ہونا چاہیے کہ صاحب "ہزاروں،

لاکھوں کی دستاویز مہر میں لکھ دو، کس نے لینا ہے آپ سے ؟ ذرا خاندانی شرافت کا ڈنکا بج جائے۔

۵ مرد اور عورت باہمی رضامندی سے جو "چیز" مہر میں طے کردیں چاہے اس کی قیمت ایک روپیہ ہو ـــ جائز ہے بشرطیکہ ہدایت نمبر ا کے مطابق ہو۔

۶ مہر طے کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رہے کہ وہ شوہر کی معاشی حیثیت سے زیادہ نہ ہو، وہ اُسے آسانی سے ادا کرسکے۔

۷ "مہر" عورت کی ملکیت ہے۔ وہ اس میں مالکانہ تصرف کرسکتی ہے۔ شوہر دباؤ ڈال کر یا دھمکی دے کر نہ تو اس سے چھین سکتا ہے اور نہ بیوی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف کرسکتا ہے۔

۸ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگرچہ مہر کی مقدار مقرر نہیں فرمائی لیکن آپؐ نے عملاً اور قولاً تھوڑا مہر مقرر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور آپؐ نے اُسے پسند فرمایا ہے۔

- آپؐ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مُؤْنَۃً۔

(مشکوٰۃ کتاب النکاح عن عائشۃ)

وہ نکاح سب سے زیادہ بابرکت ہے جس کے مہر کا ادا کرنا آسان ہو اور نفقہ تھوڑا ہو۔

- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پر چار سو درہم (تقریباً ایک سو پانچ تولہ چاندی) مہر میں ادا کیے۔

- مشہور تابعی اور اہلِ مدینہ کے سردار حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح دو درہم پر کردیا۔ ان کے اس عمل پر کسی نے نکتہ چینی نہ کی، بلکہ اس دور کے علماء اور دیندار لوگوں نے ان کے اس رویّہ پر ان کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے پانچ درہم مہر پر شادی کی۔

- ایک آدمی نے ایک انصاری عورت سے چار اوقیہ (۴۲ تولہ چاندی تقریباً) پر نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (ناراض ہوکر) فرمایا:

عَلٰی اَرْبَعِ اَوَاقٍ کَاَنَّمَا تَنْحِتُوْنَ الْفِضَّۃَ مِنْ عُرْضِ ھٰذَا الْجَبَلِ۔ (مسلم کتاب النکاح)

"تم نے چار اوقیہ پر نکاح کیا ہے گویا کہ تم اس پہاڑ کے دامن سے چاندی نکال رہے ہو۔
کیونکہ اس کی معاشی حالت اس مہر کی متحمل نہ تھی۔

جہیز

(۲۱) عَنْ عَلِيٍّ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا زَوَّجَهُ فَاطِمَةَ
بَعَثَ مَعَهَا بِخَمِيْلَةٍ وَوِسَادَةٍ مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ وَرَحَيَيْنِ
وَسِقَاءٍ وَجَرَّتَيْنِ۔ (مسند احمد ۸۱۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کی تو آپ نے اپنی صاحبزادی کے جہیز میں یہ سامان بھیج دیا:

۱۔ سفید مخملی چادر
۲۔ چمڑے کا تکیہ، جسے کھجور کے درخت کی چھال سے بھر دیا گیا تھا۔
۳۔ چکّی
۴۔ مشکیزہ
۵۔ مٹی کے دو گھڑے۔

تشریح: جنسی خواہش ایک فطری تقاضا ہے، اس مقصد کے لئے مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے آغاز سے ہی نکاح کا اصول بنا دیا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے اور عائلی ذمّہ داریوں کو نبھانے کا معاہدہ گواہوں کے روبرو بہت بڑے اجتماع میں اس لیے طے پاتا ہے کہ یہ نیا جوڑا اپنی جنسی خواہش کی تسکین کرے اور اس کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہو اس کی تربیت کرے، اسے تعلیم دے، تہذیب سکھائے، تمدن کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے۔

یہ بڑا پاکیزہ معاہدہ ہوتا ہے۔ اسلام نے اسے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ بھاری بھاری مہر باندھنے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔

مہر اتنا باندھنا چاہئے جس کا ادا کرنا آسان اور ممکن ہو۔

جہیز کے سلسلہ میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت سادگی کا نمونہ امت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اگر جہیز میں سادگی کو ملحوظ رکھا جائے تو عہدِ حاضر میں شادی کی سب رکاوٹیں دور ہو سکتی ہیں۔

آج کل عام مسلمان تو رہے ایک طرف، بڑے بڑے علماء اور پیرانِ کرام بھی جہیز کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ محراب و منبر سے اس موضوع پر بڑی طویل اور زور دار تقریریں ہوتی ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمہارے لئے نمونہ ہے۔"

لیکن نہ تو سامعین جہیز کی سنت پر عمل کرتے ہیں اور نہ مقررین کو اس پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نکاح کے معاہدہ کو آسان ہونا چاہیے تھا، ہم نے اسے بڑا پُرپیچ اور مشکل بنا دیا ہے۔ ہمارے ہاں جہیز کی تیاری بعض اوقات دس پندرہ سال تک جاری رہتی ہے۔ لڑکی کے سرپرست اپنی استطاعت سے بڑھ کر جہیز مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض اوقات اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لڑکی کی شادی جس لڑکے سے ہونا طے پاتی ہے وہ اونچے معیارِ زندگی کے حامل ہوتے ہیں۔ والدین سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کے معیار کے مطابق "جہیز" تیار نہ کیا تو وہ طعنہ دیں گے کہ یہ بھوکے ننگے گھر کی لڑکی ہے، کچھ بھی تو نہیں لائی اپنے ساتھ، اس لیے وہ بیچارے جہیز کی تیاری برسوں تک کرتے رہتے ہیں۔ ان کی جائیداد اور آمدنی اتنے بھاری بھرکم جہیز کی متحمل نہیں ہوتی تو وہ ناجائز اور حرام ذرائع سے اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ان کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اور ان کی معاشی حالت تباہ ہو جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کا بنیادی سبب لڑکی اور لڑکے کے خاندانوں میں بعید معاشی تفاوت ہوتا ہے۔ اگر کوئی غریب آدمی کسی خوشحال آدمی سے اپنی بیٹی یا بہن کی شادی کرے گا تو لازماً اسے اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھنا پڑے گا۔ اس لیے مناسب بات یہ ہے کہ آدمی اپنی لڑکی کی شادی کسی ایسے شخص سے نہ کرے جو اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ مالدار ہو۔ اگر شادی بیاہ کے معاملہ میں اس اصول پر عمل کیا جائے تو "تباہ کن جہیز"

کے عذاب سے نجات مل سکتی ہے۔ لڑکے کے سرپرستوں کو "جہیز" پر نظر نہ رکھنی چاہیے۔ وہ ایسا رویّہ اختیار نہ کریں کہ لڑکی کے والدین قرض لے کر یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر ہر حال میں "معیاری جہیز" تیّار کرنے پر مجبور ہوں۔

بڑے رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بڑے بڑے مدعیوں کی زندگی میں جہیز کی وہ سادگی نظر نہیں آتی جس کا نمونہ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی امّت کے سامنے رکھا ہے۔ ہماری زبان پر تو محبّت رسول کے نغمے جاری ہیں، لیکن ہمارے عمل کی گاڑی کو مدینہ کی لائن پر چلنے میں تامل ہے۔

خدا جانے یہ محبت کی کون سی قسم ہے کہ بارگاہِ رسالت میں "خراجِ عقیدت" پیش کرنے والے عشّاق، عملاً آپؐ کو "خراج اطاعت" پیش نہیں کرتے۔ وہ اس ذاتِ گرامی کی پیروی کیوں نہیں کرتے جس کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔؟

حقیقت یہ ہے کہ جہیز کی ناقابلِ برداشت کالی دیوی ہمارے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس نے ہمارے معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے انتظار میں جوان لڑکیوں کے سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ الھڑ جوانیاں بڑھاپے میں ڈھل جاتی ہیں، طرح طرح کی اخلاقی خرابیوں اور جسمانی بیماریوں کا بھی استقبال کرنا پڑتا ہے۔

عرب وعجم کے آقا نے اپنی لختِ جگر سیّدہ فاطمہؑ کو یہ جہیز دے کر اس بات کی وصیّت فرمائی ہے کہ:

(۱) بیٹی کے جہیز میں سادگی کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۲) جہیز میں صرف وہ سامان دیا جائے جو آسانی سے مہیّا ہو سکے۔

(۳) لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کا باعث جہیز کے سامان کی عدم فراہمی نہ ہو۔

(۴) والدین لڑکیوں کو اپنی حیثیت اور استطاعت سے بڑھ کر جہیز کا سامان دینے کی کوشش نہ کریں، بلکہ صرف اتنا جہیز دیں جو کسی دِقّت اور تاخیر کے بغیر آسانی سے مہیّا ہو سکے۔

ولیمہ

(۲۲) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَۃٍ قَالَ مَا ھٰذَا؟ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ اِمْرَأَۃً عَلٰی وَزْنِ نَوَاۃٍ مِّنْ ذَھَبٍ قَالَ فَبَارَکَ اللّٰہُ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ۔

(مسلم عن انس کتاب النکاح۔ بخاری کتاب النکاح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف (کے لباس) پر زردی کا نشان دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے سونے کی گٹھلی کے وزن پر ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا مبارک ہو، ولیمہ کیجیے چاہے ایک بکری ہو۔

تشریح: شادی پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اُسے "ولیمہ" کہتے ہیں۔ اس کی بنیاد چند مصلحتوں پر قائم ہے:

(۱) جو شخص اپنی شادی پر دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کرتا ہے اس کے رویہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اُسے اپنے نکاح سے دلچسپی ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ ہر گھر میں اس کے نکاح کا چرچا ہو۔ ہر جان پہچان والے کے علم میں یہ بات آجاتے کہ فلاں آدمی نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ دعوتِ ولیمہ کے اہتمام کرنے سے خلقِ خدا اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گی، اور کانوں سے سُن لے گی، کہ فلاں آدمی فلاں عورت کا شوہر ہے، پھر اس کے نتیجہ میں جو اولاد بھی پیدا ہوگی اس کے صحیح النسب ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔

ایک مرد کسی عورت سے شادی کرنے پر کھانا کھلا کر خوشی اور مسرّت کا اظہار تو کر سکتا ہے، لیکن بدکاری میں منہ کالا کرنے پر لوگوں کو کھانا کھلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

(۲) ولیمہ کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ہے جو اس نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندے کے گھر کو آباد کیا ہے یعنی، ایک مونس اور غمگسار کو اپنے گھر میں لے آیا ہے بیوی نے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی رفاقت اور شفقت کو چھوڑ کر اپنے شوہر کے گھر میں تادمِ زیست رہنے اور اس کا داخلی انتظام سنبھالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ عورت کا ایک ایسا قابلِ قدر ایثار ہے کہ اس کی خوشی میں مرد ولیمہ کی دعوت دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے "خانہ آبادی" کو اجتماعی زندگی میں بڑا ہی نفع بخش بنایا ہے۔ اب اگر کسی شخص کو یہ نعمت ملے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے رشتہ داروں دوستوں اور ہمسایوں کو دعوت طعام دے۔ اس سے بیوی اور اس کے خاندان کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ بھی ہوجاتا ہے۔ بیوی کو گھر میں لانے پر دعوتِ طعام کا انتظام کرنے اور لوگوں کو اس تقریب پر بلاکر کھانا کھلانے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ "عورت" بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی نگاہ میں بہت ہی قابلِ قدر اور وقیع ہے۔ کھانا کھلاکر اس نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

(۴) ایسے اہم معاملات میں گھر کے افراد کے درمیان الفت اور محبّت پیدا کرنے کے لیے دعوتِ طعام کا اہتمام بھی بہت مفید ہوتا ہے، خصوصًا ان کے پہلے اجتماع میں جب کہ وہ پہلی بار اکھٹے ہو رہے ہوں۔

ولیمہ جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ ظاہریہ اُسے واجب کہتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک "ولیمہ" کا کھانا تیار کرنا، اور لوگوں کو اس کے کھانے پر بلانا سنت ہے۔ شرعًا اس کی حد مقرر نہیں ہے۔

شوہر اپنی معاشی حیثیت کے مطابق دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کر سکتا ہے کیسی دشواری اور زحمت کے بغیر آسانی کے ساتھ جو کچھ بھی ولیمہ کے لئے مہیّا ہو سکے جائز ہے۔ جو لوگ بھاری بھاری قرض لے کر ولیمہ کی پر تکلف دعوت کی نمائش کرتے ہیں وہ فضول خرچی کے گناہ میں مبتلا ہونے کے علاوہ اپنی معیشت کو جان بوجھ کر برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو پوری کوشش کے باوجود بارہ بارہ برس تک اس طرح کے قرض سے نجات حاصل نہیں کرسکے۔ آخر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آدمی نمود و نمائش اور جذبۂ فخر کی تسکین کے لیے ولیمہ کی پر تکلف دعوت کا اہتمام کرے۔ اور وہ بھی اس حال میں کہ اس کے مالی وسائل اس عیّاشی کے متحمل نہوں۔ اس طرز کی دعوتِ ولیمہ کا مسنون ہونا تو رہا ایک طرف، اسے تو جائز بھی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ کھلانے پلانے کا یہ انداز اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے۔ رشتہ داروں، دوستوں اور قریب کے ہمسایوں کو ولیمہ میں شرکت کی دعوت دی جائے،

خصوصاً غریب رشتہ داروں اور غریب ہمسایوں کو زیادہ اہمیت دی جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جس انصاری خاتون سے شادی کی تھی وہ ہیں حضرت امّ ایاس بنت ابو الحسیر۔

بیوی نے زعفران میں رنگا ہوا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے رنگ کا تھوڑا بہت نشان ان کے کپڑوں پر بھی لگ گیا تھا۔ راہ چلتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوگئی، آپؐ نے پوچھا زرد رنگ کا یہ نشان کہاں سے آیا؟ عرض کیا حضور! ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم نے اسے کتنا مہر دیا؟ انہوں نے عرض کیا (نواۃ من ذھب) پانچ درہم۔ آپؐ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور فرمایا:

"ولیمہ کیجئے اگرچہ ایک بکری ہو۔"

جو شخص ولیمہ پر بکری ذبح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ لازماً بکری ذبح کرے۔ اس زمانہ میں ولیمہ میں بکری ذبح کرنا بہت معیاری ولیمہ ہوتا تھا اس لیے آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ کے اس ارشاد

"ولیمہ کیجئے اگرچہ ایک بکری ہو"

کا یہ مطلب یقیناً نہیں ہے کہ لازماً ہر شخص اپنی شادی پر ولیمہ میں ایک بکری ذبح کرے، بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ آسانی کے ساتھ ولیمہ کے لیے مہیّا کر سکے، جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثر شادیوں پر ایسے ولیمے کیے ہیں جن میں گوشت اور روٹی نہ تھی۔

اپنی شادی پر حضورؐ کا ولیمہ

(۲۳) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ مَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰی اِمْرَأَۃٍ مَّا اَوْلَمَ عَلٰی زَیْنَبَ فَاِنَّہٗ ذَبَحَ شَاۃً۔

(مسلم کتاب النکاح۔ بخاری کتاب النکاح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے شادی پر ایسا ولیمہ کیا ہو جیسا کہ آپؐ نے

حضرت زینبؓ سے شادی پر کیا تھا۔ آپؐ نے اس ولیمہ پر ایک بکری ذبح کی تھی۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے شادی کے ولیمہ پر ایک بکری ذبح کر کے گوشت روٹی سے مدعوین کی ضیافت کی تھی۔ آپؐ کی ازدواجی زندگی میں یہ سب سے بڑا اور اچھا ولیمہ تھا، کسی دوسری بیوی سے شادی کے ولیمہ پر آپؐ نے بکری ذبح نہیں کی۔

(۲۴) عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ۔

(بخاری کتاب النکاح باب من اولم باقل من شاۃ)

صفیہؓ بنت شیبہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے شادی پر جَو کے دو سیر کا ولیمہ کیا۔

تشریح: یہ غالباً ام المؤمنین ام سلمہؓ کی شادی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابوسلمہ بن عبدالاسد ان مہاجرین اولین میں سے ہیں جنہوں نے کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مکہ سے حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔ جب ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ذریعہ ان کو نکاح کا پیغام دیا، جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ آپؐ نے شوال ۴ھ میں ان سے شادی پر جو ولیمہ کیا وہ تھے جو کے دو سیر۔ اس کے ستو بنائے گئے اور اس سے مدعوین کی ضیافت کی گئی۔

(۲۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَاَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ۔

(بخاری عن انس کتاب النکاح مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کیا اور ان سے شادی کی ــــ اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ ــــــــ اور آپؐ نے ان سے شادی پر "حیس" کا ولیمہ کیا (حیس اس کھانے کو کہتے ہیں جو گھی، کھجور اور پنیر سے تیار کیا جاتے۔)

تشریح: خیبر مدینہ سے ۹۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم

۷؁ھ میں اس پر چڑھائی کی، اور یہ فتح ہو گیا۔ اس غزوہ میں جن لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا گیا ان میں سے قریضہ اور نضیر کے سردار حیّیؓ بن اخطب کی بیٹی صفیہؓ بھی تھی۔ اس کا شوہر کنانہ بن الربیع اس جنگ میں قتل ہو گیا تھا۔ یہ یہودیوں کے دو بہت بڑے قبیلوں کے سردار کی بیٹی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ اس شادی پر آپؐ نے جو ولیمہ کیا وہ "حیس" تھا۔

ہمارے ہاں استطاعت نہ ہونے کے باوجود "پرتکلف دعوتِ ولیمہ کا رواج چل نکلا ہے۔ عرب وعجم کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "حیس" اور ستو کا ولیمہ کر کے امت کے سامنے نمونہ رکھ دیا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ "ولیمہ" کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ ہم بارگاہِ رسالت میں بڑے سوز اور عقیدت سے صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں، نعتیں سُن کر ہماری آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں لیکن کسی معاملہ میں بھی ہم آپؐ کا اتباع نہیں کرتے۔ شاید کہ "محبّتِ رسول" کا یہ نرالا انداز ہے۔ جس رسول برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے شادی کی تقریب کو آسان بنایا تھا اس کے ماننے والوں نے اُسے بالکل مشکل اور ناقابلِ برداشت بنا دیا ہے۔ حدیث کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے زیادہ اچھا اور عمدہ ولیمہ حضرت زینبؓ سے شادی پر ایک بکری کو ذبح کر کے کیا۔ خیبر سے واپسی پر جب آپؐ نے امّ المؤمنین صفیہؓ سے شادی کی تو "حیس" کھلایا۔ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح پر "ستو" کا ولیمہ کیا۔

ذرا ٹھنڈے دل سے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ یہ ریکارڈ صرف بحفاظت رکھنے کے لیے ہے یا ہم نے اس پر عمل بھی کرنا ہے؟ عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ ہم ایسی مقدس باتوں کو لکھنے، کہنے اور سُنانے کا تو بہت شوق رکھتے ہیں لیکن اس کے مطابق شادی کرنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ کیا ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ سب ارشادات صرف قابلِ احترام ہیں؟ قابلِ تقلید نہیں ہیں؟ ان کو سن کر ہم عقیدت کے پھول تو نچھاور کر سکتے ہیں لیکن اپنی معاشرت میں ان پر عمل نہیں کر سکتے۔

"ولیمہ" کے سلسلہ میں آپؐ کی پیروی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم لازماً "حیس" تیار کر کے

ولیمہ کھلائیں، یا اپنے مدعوین کی صرف "ستو" سے تواضع کریں یا زیادہ سے زیادہ اگر ولیمہ کرنے کا شوق ہو تو صرف ایک بکری ذبح کرکے گوشت روٹی کھلانے کا بندوبست کریں۔

ولیمہ میں آپؐ کے طریقہ کی پیروی کرنے کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ولیمہ میں سادگی اور آسانی کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا جائے۔ ولیمہ شوہر کی معاشی حیثیت کے مطابق ہو۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی پر ولیمہ

(۲۶) عَنْ عَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ قَالَتَا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُّجَهِّزَ فَاطِمَةَ حَتّٰى نُدْخِلَهَا عَلٰى عَلِيٍّ فَعَمَدْنَا اِلَى الْبَيْتِ فَفَرَشْنَاهُ تُرَابًا لَيِّنًا مِنْ اَعْرَاضِ الْبَطْحَاءِ ثُمَّ حَشَوْنَا مِرْفَقَتَيْنِ لِيْفًا فَنَفَشْنَاهُ بِاَيْدِيْنَا ثُمَّ اَطْعَمْنَا تَمْرًا وَّزَبِيْبًا وَسَقَيْنَا مَاءً عَذْبًا وَعَمَدْنَا اِلٰى عُوْدٍ فَعَرَضْنَاهُ فِيْ جَانِبِ الْبَيْتِ لِيُلْقٰى عَلَيْهِ الثَّوْبُ وَ يُعَلَّقَ عَلَيْهِ الثَّوْبُ وَيُعَلَّقَ عَلَيْهِ السِّقَاءُ فَمَا رَأَيْنَا عُرْسًا اَحْسَنَ مِنْ عُرْسِ فَاطِمَةَ۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب الولیمہ)

حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہما) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم حضرت فاطمہؓ کو رخصتی کے لیے تیار کرکے انہیں حضرت علیؓ کے سپرد کردیں (اس لئے سب سے پہلے) ہم نے (حضرت علیؓ کے) گھر کا رخ کیا۔ وادی کے کناروں سے نرم مٹی ــــــ جو نرم کنکریوں پر مشتمل تھی ــــــ کا اس میں فرش لگا دیا، پھر کھجور کے درخت کی چھال کو اپنے ہاتھ سے دُھن کر اس سے ہم نے دو چھوٹے تکیوں کو بھرا، مشکیزہ اور کپڑوں کو لٹکانے اور کپڑوں کو رکھنے کے لیے ہم نے گھر کے ایک گوشہ میں ایک آڑی لکڑی رکھ دی۔ پھر ہم نے ــــــ اس تقریب میں شریک ہونے والوں کی ــــــ کھجور، منقی اور خوشگوار پانی سے ضیافت کی۔ حضرت فاطمہؓ کے ولیمہ سے بہتر ولیمہ ہم نے نہیں دیکھا۔

تشریح: یہ حدیث لمحۂ فکریہ ہے عہد حاضر کے ان سب مسلمانوں کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اہل البیت سے محبّت کرنے کے مدّعی ہیں۔ ہماری بچّیوں کے ولیمہ پر تو ہزاروں روپے اٹھ جاتے ہیں، اور اُدھر یہ انداز فقیری! افسوس ہے کہ ولیمہ کرنے میں ہم اس سادگی اور آسانی کو ملحوظ نہیں رکھتے جس کا نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ولیمہ میں پایا جاتا ہے۔ محبّین اہلِ بیت اگر اپنے دعوی محبّت میں سچّے ہیں تو شادی پر ولیمہ کے سلسلہ میں تو سیّدنا امام حسینؓ کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمہؓ کے نقوش قدم کی پیروی کریں۔

خدا کی قسم! میں آج تک ان لوگوں کی محبّت آلِ رسول کا مفہوم بالکل نہیں سمجھ سکا بولا، جن کی زبانیں تو محبّت کے نغمے الاپتی ہیں لیکن ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آلِ رسول کی اتباع کا ہلکا سا عکس بھی نظر نہیں آتا۔

ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا چاہیئے

(۲۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَۃِ فَلْیَاْتِہَا۔ (بخاری عن ابن عمر کتاب النکاح مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کے کھانے پر بُلایا جائے تو وہ لازمًا آئے۔

تشریح: اسلام میں قانون سازی کا اصول یہ ہے کہ جب ایک مصلحت کی خاطر کسی شخص کو حکم دیا جائے کہ وہ لوگوں کے لئے ایک چیز تیار کرے تو اس کا منطقی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو بھی اس شخص کے مقصد سے تعاون کرنے اور اس کا ہاتھ بٹانے پر آمادہ کیا جائے ورنہ اس حکم کی مصلحت فوت ہو جائے گی۔

اس قاعدۂ کلیہ کی روشنی میں جب شریعت شادی کرنے والے کو حکم دیتی ہے کہ تم لوگوں کے لیے ولیمہ تیار کرو تاکہ نکاح کے معاملہ کو زیادہ سے زیادہ شہرت ہو تو وہ ان سب لوگوں کو بھی اس دعوت کے قبول کرنے کا حکم دیتی ہے جن کو بُلایا جائے، ہاں اگر کوئی صاحب روزہ دار ہونے کی وجہ سے کھانا نہ کھائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بہرحال اُن کے آنے سے وہ مقصد تو پورا ہو جائے گا جس کی خاطر انہیں دعوت دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں باہم تعلق داری کا بھی تقاضا ہے کہ جب بھی کسی کو کھانے پر بُلایا جائے تو وہ اس دعوت کو قبول کرے۔ اس طریقہ

کو جاری رکھنے سے خاندانی نظام کا استحکام ہوتا ہے اور یہ تمدن کا فطری تقاضا ہے۔

دعوتِ ولیمہ کو قبول کرنے کے معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک واجب ہے۔ جو شخص کسی عذرِ شرعی کے بغیر اس دعوت کو قبول نہ کرے وہ گناہ گار ہے۔ الا یہ کہ اس میں یہ خرابیاں پائی جائیں:

۱۔ دعوتِ ولیمہ کا کھانا مشتبہ ہو۔

۲۔ غریبوں کو نظر انداز کر کے صرف کھاتے پیتے لوگوں کو بلایا جائے۔

۳۔ جس ولیمہ کی دعوت میں کسی ایسے شخص کو مدعو کیا جائے جس کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھانا یا کسی ناجائز معاملہ میں اس کا تعاون حاصل کرنا پیشِ نظر ہو۔

بُرا ولیمہ

(۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِیْمَةِ یُدْعٰی لَهَا الْاَغْنِیَاءُ وَیُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(بخاری کتاب النکاح۔ مسلم کتاب النکاح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: بُرا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس پر غریبوں کو نظر انداز کر کے صرف مالداروں کو بُلایا جائے۔ جس نے (کسی عذرِ شرعی کے بغیر) یہ دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کی۔

تشریح: جاہلیت کے زمانہ میں شادی کے ولیمہ میں مالداروں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جاتا تھا۔ نہایت اعلیٰ قسم کے کھانوں، اور مشروبات سے ان کی تواضع کی جاتی تھی۔ عام لوگوں پر ان کو ترجیح دی جاتی تھی۔ بلکہ جس ولیمہ میں اونچے درجہ کے لوگ مدعو ہوتے اس میں سرے سے غریبوں کو آنے کی اجازت بھی نہ ہوتی تھی۔ لیکن اسلام کا معاشرتی ذہن اس طبقاتی بُرائی کو برداشت نہ کر سکا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا ہے غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے

اخذ کی ہے۔ ہمارے اس گمان کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

"اِذَا خُصَّ الْاَمِيْرُ وَتُرِكَ الْفَقِيْرُ اُمِرْنَا اَنْ لَّا نُجِيْبَ"

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس دعوت کو بالکل قبول نہ کریں جس میں غریب کو نظر انداز کر کے صرف مالدار کو بُلایا جائے۔"

جس ولیمہ پر غریبوں اور مسکینوں کو نظر انداز کر کے صرف خوشحال لوگوں کو بُلایا جائے اس کا کھانا بدترین کھانا ہے۔ اس طرح کی طبقاتی بُرائی کی نمائندہ دعوتِ ولیمہ کو قبول کرنا اور اس میں شرکت کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

جو شخص شادی کرے وہ اپنے غریب رشتہ داروں اور نادار ہمسایوں کو لازمًا ولیمہ کے کھانے پر بُلائے اور نہایت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرے۔

جو ولیمہ سنت کے مطابق ہو اس میں لازمًا ہر وہ شخص شرکت کرے جس کو بُلایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قبول کرنے پر بہت زور دیا ہے اور سخت تاکید فرمائی ہے۔ اس شخص کے گناہ گار ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جو کسی معقول عذر کے بغیر اس کو رد کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ولیمہ کی تقریب میں خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو تو نہ صرف یہ کہ اس دعوتِ ولیمہ کو مسترد کر دینا گناہ نہیں ہے، بلکہ سخت مجرم اور گناہ گار ہے وہ شخص جو اس طرح کی دعوتوں میں شرکت کر کے بُرائیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے:

۱۔ جس شادی پر مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفل ہو۔

۲۔ یا ناچ گانا، شراب نوشی اور فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہو۔

۳۔ یا کھلے بندوں بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہو۔

اس میں شرکت کرنا یا اس کے ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا سخت گناہ ہے۔

"مغرب" سے ایک اور نئی بیہودگی ———

——— روشن خیالی اور ترقی کے لبادہ میں ———

نازل ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ولیمہ کی دعوت کھڑے ہو کر بلکہ چل پھر کر اڑائی جاتی ہے۔ ایسے ولیمہ

کی دعوت کو قبول کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ جانوروں کی طرح کھانا کھانے کا یہ انداز امتِ مسلمہ کے قائد و امام نبی عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بالکل پسند نہیں تھا۔

رشحات

نکاح، مہر، جہیز اور ولیمہ کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصولی ہدایات دی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ نکاح کا معاہدہ علانیہ ہونا چاہیے۔ اس میں اخفاء جائز نہیں ہے۔

۲۔ نکاح میں شوہر عہد کرتا ہے کہ:

وہ بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا۔

اپنی استطاعت کے مطابق اس کے لباس، خوراک اور قیام کا انتظام کرے گا اور اس کے معاشی اور معاشرتی حقوق ادا کرے گا۔

اور بیوی عہد کرتی ہے کہ:

وہ اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرے گی

اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے گی

اور اپنی آبرو کی حفاظت کرے گی۔

اور شوہر کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو اپنے گھر میں نہ آنے دے گی۔

فریقین ان شرائط کی پابندی کریں جو نکاح کے معاہدہ میں طے کر دی جائیں۔ الّا یہ کہ وہ شریعت کے خلاف ہوں۔

۳۔ فریقین کی باہمی رضامندی سے مہر کی تعیین کے بعد گواہوں کے سامنے یہ معاہدہ ہونا چاہیے:

۴۔ شوہر کو چاہیے کہ وہ مہر باندھنے میں غلو اور نمائش سے پرہیز کرے۔ مہر کی تعیین میں وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کو پیشِ نظر رکھے اور خوشدلی سے ادا کرے۔

۵۔ جس نکاح میں مہر تو مقرر کیا جائے لیکن اس کے ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک سرے سے نکاح ہی نہیں ہے۔

۶۔ افضل یہ ہے کہ نکاح میں کم از کم مہر پر قناعت کی جائے لیکن اگر کوئی شخص خوشدلی سے زیادہ سے زیادہ مہر ادا کرتا ہے تو جائز ہے۔

۷۔ جہیز میں صرف وہ سامان دیا جائے جو آسانی سے مہیّا ہو سکے۔

۸۔ کسی جوان لڑکی کی شادی میں تاخیر کا باعث جہیز کی عدم فراہمی نہ ہو۔

۹۔ شادی پر ولیمہ کا کھانا تیّار کرنا اور لوگوں کو اس کے کھانے پر بُلانا مسنون ہے۔

۱۰۔ جس شخص کو ولیمہ کی دعوت پر بُلایا جائے اُسے لازمًا اس میں شریک ہونا چاہیے۔ جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر اس میں شرکت نہیں کرتا وہ گناہ گار ہے۔

۱۱۔ اگر ولیمہ کی تقریب میں شریعت کے احکام کی علانیہ خلاف ورزی ہو رہی ہو تو خدا ترس آدمی کو اس میں شرکت کر کے برائیوں کی حوصلہ افزائی نہ کرنی چاہیے۔

باب اوّل

(۳)

حقوق الزّوجین

شوہر اور بیوی سے باز پرس ہوگی

(۲۹) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ـــــــــ اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ، وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ۔

(مسلم عن ابن عمر کتاب الامارۃ۔ بخاری کتاب الاحکام)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے گھر والوں کا نگران ہے۔ اور وہ (قیامت کے دن) ان کے بارے میں (اللہ کے ہاں) جواب دِہ ہے۔ بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچّوں کی نگراں ہے، اس سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی۔

تشریح: ہر آدمی کو دنیا میں ایسا طرزِ حیات اختیار کرنا چاہیے جس کے نتیجہ میں وہ آخرت کی رُسوائی اور عذاب سے بچ جائے۔ وہاں نجات صرف اس شخص کے لیے ہے جو دنیا میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرتا رہے لیکن اگر وہ اپنے بال بچّوں کو نیکی کی راہ پر نہیں لگاتا، ان کی اصلاح اور تربیت کی طرف توجہ نہیں کرتا تو وہ اللہ کے مؤاخذہ سے نہیں بچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اپنی حد تک چھوٹی سی ریاست (گھر) کی رعیت کو اسلام کے صحیح تصوّر سے آگاہ کیوں نہ کیا۔؟ تیرے گھر میں فسق وفجور کے پودے کی آبیاری ہو رہی تھی، استطاعت کے باوجود تو نے اُسے اُکھاڑ نہ پھینکا۔؟

یہ تصوّر بالکل غلط ہے کہ مَرد صرف اپنے بال بچّوں کی معاش کا کفیل ہے، ان کی نیکی اور بُرائی سے اُسے کیا واسطہ؟ حالانکہ یہ اس کی ذمّہ داری ہے کہ وہ ان میں خدا کا خوف اور دین سے محبّت بھی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جو شخص استطاعت کے باوجود اپنے بال بچوں کو مُسلِم (اللہ کا فرمانبردار اور مطیع) نہیں بناتا، وہ چاہے ذاتی طور پر کتنا ہی صالح کیوں نہ ہو، وہ خُدا کے ہاں جوابدِہ ہے۔ اس بے پروائی اور غفلت پر اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود اس کی بیوی بچّوں نے اس کی، دعوتِ اصلاح، کو مسترد کر دیا ہو تو وہ بری الذمّہ ہے۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حکمت، سلیقہ اور تدریج کے ساتھ اپنی بیوی کی اصلاح کی کوشش کرے۔ یہ کام اسے مسلسل خلوص اور صبر کے ساتھ کرتے رہنا چاہیے۔

جو عورت اپنے شوہر کے گھر کو برباد کرتی ہے، اس کی جائیداد کو ضائع کرنے کی کوشش کرتی ہے، یا بچوں کی تربیت اور اصلاح سے پہلو تہی کرتی ہے، بلکہ ان کے دین اور اخلاق کو تباہ کرتی رہتی ہے، وہ اللہ کی عدالت سے سزا پاکر رہے گی کیونکہ وہ شوہر کی جائیداد کی امین تھی، اُسے ضائع کرکے اس نے خیانت کی ہے۔

بچوّں کو تہذیب سکھانے کی وہ ذمہ دار تھی۔ اس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا۔ بیوی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شوہر کی جائیداد کی حفاظت کرے۔ اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس میں تصرف نہ کرے۔ اور بچوں کو علم اور اخلاق سے آراستہ کرے۔ اور انہیں شرافت اور شائستگی سے زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھائے۔ بدا خلاقی اور بُرے ماحول سے ان کی حفاظت کرے۔

شوہر اور بیوی کے حقوق

(۳۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ——— فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

(مسلم عن جابر کتاب الحج۔ ابو داؤد کتاب المناسک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو ——
تم نے اللہ کی امان سے ان کو اپنے عقد میں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ کی وجہ سے تم ان کی عصمت کے مالک بنے ہو، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کسی ایسے آدمی کو نہ روندنے دیں جس کو تم پسند نہیں کرتے۔ اگر وہ یہ غلطی کریں تو پھر تم ان کی پٹائی کرو، ایسی پٹائی جو انہیں مجروح نہ کردے۔ ———

اور تم پر عورتوں کا حق یہ ہے کہ دستور کے مطابق ان کا لباس اور نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔

تشریح: یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ کا ایک اقتباس ہے جو آپؐ نے آخری حج (سنہ۱۰ھ)

کے موقع پر منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا:

(۱) پردہ کے احکام کے نزول سے پہلے عربوں میں یہ رواج عام تھا کہ اجنبی آدمی گھر میں آکر خواتین سے باتیں کرتا رہتا۔ یہ بات ان کی نگاہ میں معیوب نہ تھی۔ آپؐ نے اس رواج کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ کوئی عورت گھر میں کسی ایسے آدمی کو آنے کی اجازت نہ دے جس کا آنا اس کے شوہر کو ناگوار ہو۔ یہ بیوی پر شوہر کا حق ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو شوہر اس کی پٹائی بھی کر سکتا ہے۔ بعض خواتین کے مزاج میں کچھ ایسی کجی ہوتی ہے کہ پٹائی کے بغیر کوئی بات ان کی سمجھ میں آہی نہیں سکتی۔

(۲) شوہر پر بیوی کا حق یہ ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کے قیام، طعام، لباس اور ضروریات زندگی مہیا کرتا رہے۔

خدا کی شریعت نے اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر بیوی کی ضروریات پر روپیہ برباد کرے۔

وہ بیوی بڑی ظالم اور گناہ گار ہے جو شوہر پر اس کی استطاعت سے زیادہ مالی بوجھ ڈالتی ہے۔

شریعت کی نگاہ میں یہ بھی جائز نہیں ہے کہ خوشحال شوہر اپنی حیثیت کو نظر انداز کر کے بیوی کے معاملہ میں "فقر و تنگدستی" کا مظاہرہ کرے۔ اس کنجوسی اور بخیلی بلکہ کفرانِ نعمت پر آخرت میں اسے سزا ملے گی۔

معیارِ زندگی کے سلسلہ میں بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان تلخی بلکہ شدید کشمکش پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ میاں کسی ایسی لڑکی سے شادی کرتے ہیں جس کے باپ کی جائیداد اور معیارِ زندگی بہت بلند ہوتا ہے، شوہر اور بیوی کے درمیان معاشی لحاظ سے اگر بہت زیادہ تفاوت ہو تو پھر تعلقات خوشگوار نہیں رہ سکتے۔ تعلقات کی یہ خرابی طلاق کا موجب بھی بن سکتی ہے۔ بہرحال اس سے گھر میں بدمزگی اور کشیدگی کی فضا تو پیدا ہو ہی جاتی ہے اس لیے دانشمندی کا تقاضا ہے کہ آدمی کسی عورت سے نکاح کرتے وقت دوسرے امور کے علاوہ یہ بھی دیکھ لے کہ ان دونوں کے درمیان معاشی لحاظ سے ہم آہنگی ہو۔

جسمانی رابطہ راز ہے

(۳۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلٰی اِمْرَاَتِہٖ وَتُفْضِیْ اِلَیْہِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّھَا۔

(مسلم عن ابی سعید الخدری کتاب النکاح، ابوداؤد کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین انسان وہ ہے جو اپنی بیوی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ اس سے لطف اندوز ہوتی ہے پھر وہ اس کا راز افشا کرتا ہے۔

تشریح: شادی کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان یہ جسمانی رابطہ "راز" کی حیثیت رکھتا ہے۔ شرم وحیا کا تقاضا ہے کہ اسے پوشیدہ رکھا جائے۔ وہ آدمی قیامت کے دن "بدترین انسان" قرار پائے گا جو:

ا۔ لوگوں کو اس کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے۔

ب۔ یا بیوی کی کسی کمزوری یا عیب کا انکشاف کرتا ہے۔

ج۔ یا اس کی کسی ایسی خوبی کا ذکر کرتا ہے جس کا مخفی رکھنا بہت ضروری ہے۔ ایک دوسری روایت میں اس "راز" کو بہت بڑی امانت قرار دیا گیا ہے۔ بہت بڑا خائن اور بے شرم ہے وہ شوہر جو لوگوں کو بیوی سے جنسی تعلق کی روداد سناتا ہے یا ان کو اس کے کسی عیب یا خوبی سے آگاہ کرتا پھرتا ہے۔ اسی طرح اس بیوی کے بے حیا اور بدترین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے جو سہیلیوں کو شوہر کے جنسی عمل کی تفصیل سناتی ہے، یا اس کی کمزوری یا خوبی کا اشتہار دیتی ہے۔

لڑکی کی نسبت اس کی والدہ کے مشورہ سے طے کرو

(۳۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمِرُوا النِّسَآءَ فِیْ بَنَاتِہِنَّ۔

(ابوداؤد عن ابن عمر کتاب النکاح باب فی الاستیمار)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی لڑکیوں کے نکاح کے سلسلہ میں

ان کی ماؤں سے مشورہ لے لیا کرو۔

تشریح: جوان لڑکی کو گھر میں زیادہ عرصہ تک بٹھائے رکھنا جائز نہیں ہے۔ بہت جلد اس کی شادی کی فکر کرنی چاہیے۔ اس کے لئے شوہر کا انتخاب کرتے وقت اس کی ماں کی رائے کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس معاملہ میں لڑکی کی والدہ کی رائے کو نظر انداز کرنے یا اس سے مشورہ لیے بغیر "داماد" کا چناؤ بعض اوقات معاشرتی خرابیوں کا موجب بن سکتا ہے۔

ماں باپ باہمی مشورہ سے اولاد کی شادی کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں، خصوصاً لڑکیوں کی شادی کا معاملہ تو کچھ زیادہ اہم ہوتا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب تم اپنی لڑکیوں کی نسبت طے کرنے لگو تو ان کی ماؤں سے بھی مشورہ لے لیا کرو۔

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی اجازت، مشورے اور رضامندی کے بغیر کسی لڑکی کو اپنا رفیقِ حیات تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ مغربی تہذیب کے "تصور آزادیٔ نسواں" نے مسلمانوں کے خاندانی نظام میں کچھ دراڑیں ڈال دی ہیں، پھر مخلوط تعلیم کے فتنہ نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ بعض لڑکیاں اپنی شادی کا مسئلہ خود ہی طے کر لیتی ہیں۔ ماں باپ سے اجازت لیتی ہیں نہ ان کی رضامندی حاصل کرتی ہیں۔ ایسی رومانی اور جذباتی شادیوں کی کوکھ سے تلخیاں اور ناقابلِ حل الجھنیں نمودار ہوتی ہیں۔ اسلام کا صاف ستھرا مزاج یہ ہے کہ لڑکی کی شادی کا فیصلہ، والدین کافی سوچ بچار اور مشورے کے بعد کریں۔ لڑکی کی رائے بھی معلوم کرلیں۔

بیوی سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت

(۳۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاہُ فَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ وَاِنْ تَرَکْتَہٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الانبیاء، مسلم کتاب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے

میں میری وصیت قبول کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی کا اُوپر کا حصّہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ ڈالو گے۔ اور اگر تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو۔

تشریح: خاندانی زندگی کے نظام میں میاں بیوی کا باہمی ربط اور تعلق سب سے زیادہ اہم کیوں ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ رابطہ دوسرے رابطوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے اور شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ ضروری بھی ہے کیونکہ اس کے بغیر تمدّن کی گاڑی ایک دن کے لیے بھی نہیں چل سکتی۔

علاوہ ازیں نسلِ انسانی کے آغاز سے لے کر اب تک دنیا بھر کے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ گھر کے نظام کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے اور اسے چلانے کے لیے عورت، مرد کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس کے ساتھ تعاون کرتی ہے اور گھر کے داخلی امور ———— مثلاً: کھانا تیار کرنے، گھر کو صاف ستھرا رکھنے، بچّوں کو پالنے اور مہذّب بنانے، کپڑوں کو دھونے، صاف کرنے، گھر کے سامان کو سلیقہ اور قرینہ کے ساتھ رکھنے ———— کی ذمہ دار ہے۔ اور مَرد کی عدمِ موجودگی میں وہ گھر کے انتظام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔

عورت اور مَرد کے اس باہمی تعلق کی اہمیت کو (جہاں تک بھی ممکن تھا) سب شریعتوں نے مانا ہے، بلکہ اسے باقی اور قائم رکھا ہے اور اس کو مستحکم کیا ہے۔ اور اس بگڑے ہوئے ذہن کو پسند نہیں کیا جس نے شوہر اور بیوی کے اس جسمانی اور روحانی تعلق کو ختم اور ضائع کرنے کی کوشش کی ہے۔

کوئی اجتماعی ڈھانچہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا اگر اس کے اجزا میں ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت اور الفت نہ ہو۔ اسی طرح ازدواجی زندگی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس ادارے کے ارکان (شوہر اور بیوی) میں ایک دوسرے سے محبّت اور پیار نہ ہو۔

ایک دوسرے سے محبت کرنے اور اس کیفیت کو ہمیشہ قائم رکھنے کے لیے میاں اور

بیوی کو ان اصولی ہدایات پر خلوص کے ساتھ عمل کرنا چاہیے:

(۱) وہ ایک دوسرے کے غم، دُکھ، تکلیف اور علالت میں ہمدردی اور رحمدلی کا رویّہ اختیار کریں۔

(۲) وہ ایک دوسرے کی غلطیوں سے چشم پوشی اور کوتاہیوں سے درگزر کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

(۳) وہ نفرت اور کینہ پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب کریں۔

(۴) وہ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کی باتیں کرنے کی عادت ڈالیں۔

(۵) وہ خندہ پیشانی اور مسکراہٹ سے ایک دوسرے کا استقبال کریں یعنی ترش روئی اور خشک مزاجی سے پرہیز کریں۔

گھر خاندان کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی ریاست بغیر حاکم اور منتظم کے نہ قائم ہو سکتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بعض مصلحتوں کی بنا پر شوہر کو بیوی پر "قوّام" بنایا ہے۔ وہ اس کے معاش کی کفالت کرتا ہے۔ گھر کے نظام کو درست حالت میں رکھنے کا وہ ذمہ دار ہے اور وہ اس کی نگرانی اور حفاظت بھی کرتا ہے۔ عورت اس ریاست میں رعیّت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ہر ایک کے کام اور ذمہ داری کا دائرہ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہے اور حقوق بھی مختلف ہیں لیکن آپس میں ہم آہنگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ:

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

(النساء آیت ۱۹)

"تم ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو"۔

یعنی اگر ان سے کچھ کوتاہیاں اور کمزوریاں صادر ہوں تو ان سے درگزر کرو۔

اس تمہید کے بعد ہم مندرجہ بالا حدیث کی وضاحت کرتے ہیں:

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیّت کرتا ہوں۔ تم میری وصیّت کو قبول کرو۔ بھلے طریقہ سے تم ان کے ساتھ زندگی بسر کرو، اور ان کی زیادتی پر صبر کرو۔

پھر فرمایا:

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی کا اوپر کا حصّہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اُسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اُسے توڑ ڈالو گے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی فطرت میں پسلی کی طرح کجی رکھ دی گئی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔

(الانبیاء آیت ۳۷)

" انسان کو جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔

یعنی اس کی فطرت اور جبلت میں جلد بازی رکھ دی گئی ہے۔

پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تم اُسے سیدھا کرنا چاہو تو وہ سیدھا ہونے سے رہی، البتہ ٹوٹ ضرور جائے گی۔ اسی طرح عورت کی فطرت میں جو کجی اور ٹیڑھاپن ہے اس کی بنا پر تم اس کے ٹیڑھے پن اور کجی کے باوجود اس سے استفادہ کر سکتے ہو، لیکن اگر چاہو کہ یہ بالکل سیدھی ہو جائے تو ناممکن ہے۔ ہاں اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ ضرور جائے گی۔ اور اس کا طلاق لینا ٹوٹنا ہی تو ہے۔

"پسلی کا اوپر کا حصّہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔"

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عورت کے سر میں جو زبان ہے وہ کچھ غیر محتاط اور بے لگام ہونے کی وجہ سے اذیت ناک بن جاتی ہے۔ بہرحال عورت کے مزاج میں جو کجی ہے اس کا بالکل دُور ہونا ناممکن ہے جیسا کہ پسلی کا سیدھا ہونا ناممکن ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شوہر بیوی سے استفادہ کرنے پر مجبور ہے اس لیے وہ اس کی کم عقلی اور زیادتی پر صبر سے کام لے۔

"ہاں عورت کے مزاج کی کجی کا بالکل دُور ہونا تو ممکن نہیں ہے لیکن اسے بالکل اس کے

حال پر چھوڑ دینا بھی حکمت کے خلاف ہے۔ اس لیے نرمی اور حکمت کے ساتھ جہاں تک بھی ہو سکے اس کی کجروی کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

پھر آپؐ نے آخر میں فرمایا:

"پس تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو۔"

اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ تم اس کی کجی کو بالکل ختم کرنے کے لیے ایسا سخت رویّہ بھی اختیار نہ کرو، جس کا نتیجہ "طلاق" کی شکل میں نمودار ہو اور نہ تم اسے بالکل اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ بے لگام ہو کر گھر کے امن و سکون کو تہ و بالا کر دے۔

اس وضاحت کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے، ان کی کج خلقی پر صبر سے کام لیا جائے اور ان کی کم عقلی کو برداشت کرنا چاہیے۔ بغیر کسی معقول وجہ کے ان کو طلاق دینے سے اجتناب کیا جائے۔ اور ان سے یہ توقع نہ رکھی جائے کہ وہ بالکل سو فیصد اپنے ٹیڑھ پن اور کجی سے دستبردار ہو سکیں گی۔ ان کی اس کج روی اور ٹیڑھ پن کو نظر انداز کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کا تعلق میاں بیوی کے عام تعلقات اور گھر کے کام کاج سے ہے لیکن اگر وہ فسق و فجور اور بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب کریں تو ان کی یہ کج روی قابلِ برداشت نہیں ہے۔

بیوی کی اخلاقی خوبیوں پر نگاہ رہے

(۲۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن شوہر کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ بیوی سے نفرت کرے۔ اگر وہ اس کی کسی خصلت کو گوارا نہیں کرتا تو اس کی دوسری خصلت کو پسند بھی تو کرتا ہے۔

تشریح: خالق و حکیم خدا نے حکمت کی بنا پر اپنی مخلوق میں تنوع رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حسین بنایا ہے اور کسی کو کمزور، کوئی صحتمند ہے اور کوئی مریض، انسان اس میں بے بس ہے۔

کسی انسان کو اس کی غیر اختیاری خصلت پر ملامت کرنا اور اس پر طنز کرنا غیر معقول اور بھونڈی روش ہے۔ جو شخص یہ رویّہ اختیار کرتا ہے وہ دراصل اس ذاتِ قدیر پر طنز کرتا ہے جس نے یہ خصلت پیدا کی ہے۔

کیا مؤمن اپنے رب کے ساتھ یہ رویّہ اختیار کر سکتا ہے؟

اس لیے مؤمن شوہر کو سیاہ فام بیوی سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اور اس بیوی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے جو خوبصورت نہ ہو۔ اگر اس کا ذوق بیوی کی ان غیر اختیاری چیزوں کو پسند نہیں کرتا تو آخر وہ اس کے دوسرے اوصاف اور اخلاق سے سکون تو محسوس کرتا ہے۔ مثلاً:

(۱) ایک سیاہ فام لڑکی اخلاقی اعتبار سے بہت اچھی ہے۔

(۲) یا ایک لڑکی گھر کے نظام کو سلیقہ سے چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن ہے وہ خوبصورت اور اپنے شوہر سے بیحد محبّت کرنے والی۔

(۳) یا بیوی قبول صورت نہ ہونے کے باوجود گھر کے انتظام میں کفایت شعار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن شوہر اپنی بیوی کی غیر اختیاری کمزوریوں کو نظر انداز کر کے اس کی دوسری خوبیوں اور اچھی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھے اور اس سے محبّت کرے۔

غیر اختیاری خصلتوں یا معمولی درجہ کی اختیاری کمزوریوں کی وجہ سے شوہر کو بیوی سے بغض اور نفرت کا اظہار نہ کرنا چاہیے جب کہ وہ دوسرے بہترین اخلاقی اوصاف کی حامل ہو۔

اختیاری کمزوریوں کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر اس کی اچھی خوبیوں اور صلاحیتوں کا بار بار اظہار اور اعتراف کرے اور اس کے اچھے کام کی داد بھی دیتا رہے۔ لیکن کبھی کبھی بالکل ہلکے انداز میں اس کی کوتاہیوں کا ذکر کر دیا کرے۔

بیوی کے چار حقوق

(۳۵) عَنْ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقُلْتُ مَا تَقُوْلُ فِيْ نِسَاۤئِنَا؟ قَالَ أَطْعِمُوْهُنَّ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ

وَاكْسُوهُنَّ مِمَّا تَكْتَسُونَ وَلَا تَضْرِبُوهُنَّ وَلَا تُقَبِّحُوهُنَّ۔

(ابو داؤد کتاب النکاح)

حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم انہیں کھلاؤ جو کچھ تم کھاتے ہو اور انہیں پہناؤ جو تم پہنتے ہو، ان کی پٹائی نہ کرو، اور انہیں بُرا نہ کہو۔

تشریح: اس حدیث میں شوہر پر بیوی کے چار حقوق کا ذکر ہے:

(۱) یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ ہر انسان اپنی خوراک اور لباس کے سلسلہ میں وہ معیار اپنائے جو اس کی آمدنی سے ہم آہنگ ہو۔ بیوی کو وہ کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ تم خود تو مرغن گوشت اور پلاؤ اڑاتے رہو، اور بیوی دال دلیہ سے پیٹ بھرتی رہے۔ کھانے پینے کے معاملہ میں شوہر کو بیوی سے امتیاز نہ برتنا چاہیے۔

(۲) بیوی کو اس معیار کا لباس پہناؤ جس معیار کا لباس تم خود پہنتے ہو۔

(۳) "اس کی پٹائی نہ کرو" یہ بہت زیادتی اور گناہ کا کام ہے۔ بعض لوگ بیوی کو زدوکوب کر کے اپنی مردانگی کا رعب جمانا چاہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بالکل پسند نہیں کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ "تم اس کے منہ پر نہ مارو" شرعاً بیوی کو زدوکوب کرنا جائز نہیں ہے الّا یہ کہ اس سے سرکشی کا اندیشہ ہو تو سمجھا بجھا کر اس کی اصلاح کی جائے۔ نہ مانے، تو شوہر خوابگاہ میں اس سے علیحدہ رہے۔ اگر یہ تدبیر مفید ثابت نہ ہو تو وہ اُسے مار بھی سکتا ہے۔ لیکن "اس کے منہ پر نہ مارے"۔ کیونکہ منہ نہایت لطیف اور نازک اعضاء پر محیط ہونے کی وجہ سے جسم کے دوسرے اعضاء سے زیادہ عظمت اور شرف کا حامل ہے۔

(۴) بیوی کا چوتھا حق یہ ہے کہ تم اسے بُرا نہ کہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ:

(الف) تم اسے رُسوا نہ کرو۔

(ب) اسے گالی نہ دو۔

(ج) اگر وہ خوبصورت نہ ہو تو اُسے بدصورت کہہ کر نہ پکارو۔
(د) اس طرز کی گالیوں سے بھی پرہیز کرو۔ مثلاً تیرا منہ کالا ہو، تو بڑی ذلیل عورت ہے، خدا تجھے بھلائی سے دور رکھے، اللہ تجھے خراب کرے۔
(ہ) عام لوگوں سے اس کی بُرائی بیان نہ کرو۔ اس کی غلطیوں کی تشہیر نہ کرو۔

بیوی کا نفقہ

(۳۶) دَخَلَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ اِمْرَأَةُ اَبِیْ سُفْيَانَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ، لَا يُعْطِيْنِیْ مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِيْنِیْ وَيَكْفِیْ بَنِیَّ اِلَّا اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْ مَّالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمِهٖ فَهَلْ عَلَیَّ فِیْ ذٰلِكَ مِنْ جُنَاحٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِیْ مِنْ مَالِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ مَا يَكْفِيْكِ وَيَكْفِیْ بَنِيْكِ۔

(مسلم عن عائشہ کتاب الاقضیۃ، بخاری کتاب النفقات)

ابوسفیان کی بیوی ہند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابوسفیان بخیل آدمی ہیں۔ وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچّوں کو کفایت کرے۔ الّا یہ کہ میں ان کے علم کے بغیر ان کے مال سے لے لوں، کیا مجھے اس پر گناہ ہو گا۔؟ آپؐ نے فرمایا: تو دستور کے مطابق ان کے مال سے اتنا نفقہ لے لیا کر جو تجھے اور تیرے بچّوں کو کفایت کرے۔

تشریح: ابوسفیان کی بیوی "ہند" کو تاریخ میں خاص شہرت حاصل ہے۔ اس کا باپ عُتبہ ابن ربیعہ، اس کا چچا شیبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی ولید بن عتبہ —— جو مشرکین مکّہ کے بڑے لیڈروں میں سے تھے —— جنگ بدر ۲ھ میں مسلمانوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوتے۔ یہ حادثہ "ہند" کے لیے بے حد رنج کا موجب ہوا تھا اور اس پر بہت شاق گزرا۔ جب غزوۂ احد ۳ھ میں سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

شہید ہوئے تو اس کی آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ اس نے ان کا پیٹ چاک کر کے "جگر" نکالا۔ مارے غصے کے اُسے چبایا، اور پھر پھینک دیا۔ اور "جگر خوار" کے نام سے مشہور ہوئی۔ جب فتح مکہ (۸ھ) کے دن مسلمانوں نے ابوسفیان کو گرفتار کر لیا تو سیدنا عباسؓ نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ بالآخر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ جب "ہند" کو اپنے شوہر کے اسلام کا پتہ چلا تو بپھری ہوئی آئی اور اس کی ڈاڑھی نوچ ڈالی، پھر جب مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔

ابوسفیان حریص اور بخیل ہونے کی وجہ سے اپنے بال بچوں کو بہت ہی نپا تُلا نفقہ دیتے تھے جو ان کے لئے بالکل ناکافی ہوتا تھا۔ ہند کو اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آتا تھا کہ وہ اس کی اجازت اور علم کے بغیر اس کے مال سے مزید نفقہ لے کر گھر کے اخراجات کو پورا کرے۔ جب وہ مسلمان ہو گئی تو اس طرز عمل نے اس کے ذہن میں الجھن ڈال دی۔ اس الجھن کو لے کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی حضور! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں۔ ان کے دیے ہوئے نفقہ سے میری اور میرے بچوں کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں الّا یہ کہ میں ان کے مال سے مزید نفقہ لے کر اس میں شامل نہ کر لوں۔ اور یہ کام میں ان کے علم کے بغیر کرتی ہوں۔ کیا مجھے اس پر گناہ ہو گا۔؟

آپؐ نے اس سے فرمایا: اگر تو معروف طریقہ سے ان کے مال سے مزید نفقہ لے کر گھر کے اخراجات کو پورا کرے تو جائز ہے۔

معروف طریقہ سے لینے کا مطلب یہ ہے کہ ایک غیر جانبدار آدمی کی نگاہ میں مال کی وہ مقدار معقول اور مناسب ہو۔

اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ اگر وہ پورا نفقہ نہ دے تو بیوی بھی اس کے مال سے اپنا خرچ پورا کر سکتی ہے۔

(۲) وہ اپنے شوہر کے مال سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے صرف اتنا نفقہ لے جو کسی غیر جانبدار آدمی کی نگاہ میں معقول اور مناسب ہو۔

(۳) نفقہ کی مقدار کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک میاں بیوی (دونوں) کے معاشی حال کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیوی کے نفقہ کا تعین کیا جائے۔ شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں صرف شوہر کی معاشی حیثیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

(۴) چھوٹے، دائم المریض اور معذور بچوں کا نفقہ بھی باپ کے ذمہ واجب ہے۔

(۵) فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ مفلس ماں باپ کا نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔

(۶) بعض لوگ اپنی ذہنی افتاد کی بنا پر استطاعت کے باوجود فرض ادا کرتے سے مکر جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ امانت اور ممتاز چیزوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ بعض لوگ کمزوروں سے ان کی جائیداد چھین لیتے ہیں۔ بہرحال کسی کا حق مارنے اور کسی کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان سب صورتوں میں اگر حقدار، ایسے ظالم اور غاصب سے اپنا حق وصول کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی وقت ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ ظالم اور غاصب سے اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر اپنا حق وصول کر سکتا ہو تو وہ لازماً وصول کرنے کی کوشش کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا حدیث کی بنا پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حقدار "صرف اپنا حق" وصول کرلے تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔ وہ اس پر اللہ کے ہاں گناہ گار نہیں ہے۔ چاہے وہ مغصوبہ (چھینے ہوئے مال) کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک مظلوم صرف اس صورت میں ظالم یا غاصب سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے جب کہ وہ بعینہ مغصوبہ یا مقبوضہ سامان یا مال کے لینے پر قادر ہو، یا مغصوبہ مال کا ہم جنس ہو۔

مثلاً: زمین کی جگہ زمین، مکان کی جگہ مکان، گندم کے بدلے گندم اور گھڑی کے بدلے گھڑی پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔ لیکن گندم کے بدلے گھڑی پر قبضہ کرنا جائز نہ ہوگا کیوں کہ یہ اس کی ہم جنس نہیں ہے۔ البتہ سونے اور چاندی کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک امام شافعیؒ کی رائے قابلِ ترجیح ہے۔

مظلوم کو غاصب اور ظالم سے اپنا حق وصول کرنے میں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ وہ صرف اپنے حق تک محدود رہے۔

غصّہ اور انتقام کے جذبہ سے بے قابو ہو کر ایسا رویّہ اختیار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا شمار ظالموں اور غاصبوں میں ہو جائے۔

ان سب معاملات کا باقاعدہ احتساب ہونا ہے۔ اللہ کی عدالت میں کوئی ظالم اور غاصب بچ کر نہ جا سکے گا۔

اچھا آدمی

(۳۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُکُمْ فَدَعُوْہُ۔

(ترمذی عن عائشہؓ ابواب المناقب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے بال بچّوں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرتا ہے۔ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرنے میں تم سب سے بہتر ہوں۔ جب تمہارے (گھر کے کسی) فرد کو موت آئے تو اس کی برائیوں اور غلطیوں کا ذکر نہ کرو۔

تشریح: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرت میں حُسنِ اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ آپؐ نے اس شخص کو بہترین آدمی قرار دیا ہے جو اپنے بیوی بچّوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرتا ہے، اُن سے محبت اور خیر خواہی کا رویّہ اختیار کرتا ہے، ان کی بھلائی اور اصلاح کے لیے اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتا۔

"بیوی سے اچھّا برتاو کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے ہمدردی اور محبت کرے۔ اس کے جذبات کا احترام کرے، اس کی دلآزاری اور توہین سے اجتناب کرے، بے رُخی سخت کلامی اور دشنام طرازی سے اس کی عزّتِ نفس کو مجروح نہ کرے، اور اس پر نکتہ چینی نہ کرے، بلکہ اس کی ہر جائز خواہش اور معقول فرمائش کو پورا کرے، بشرطیکہ وہ اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

کیونکہ جب ایک لڑکی، ماں باپ کے گھر سے شوہر کے گھر میں نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے تو اُسے اس اجنبی ماحول میں شوہر کی محبت، تعاون اور غمگساری کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی تیمار داری اور علاج ہو۔ اور ضرورت پڑنے پر گھر کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹایا جائے۔ ”بچّوں سے اچھا برتاؤ“ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی تعلیم اور تربیت میں کوتاہی نہ کیجائے، انہیں اچھے اخلاق اور تہذیب سے آراستہ کیا جائے، ان کی بھلائی، خیرخواہی اور دینداری کے لئے کوشش کی جائے۔

”گھر کے دوسرے افراد اور رشتہ داروں سے اچھا رویّہ اختیار کرنے“، کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے مروت سے پیش آئے، ان پر احسان کرے، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرے، اور ان کی بھلائی اور اصلاح کے لئے کوشش کرے۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

”اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرنے میں میں تم سے بہتر ہوں۔“

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ چشم فلک نے آپؐ جیسا ”انسان کامل“ کبھی نہیں دیکھا، تاریخ اور سیرت کا ریکارڈ گواہ ہے کہ حسن اخلاق میں زمانہ آپؐ کی نظیر پیش نہیں کر سکا۔ اور نسلِ انسانی کا کوئی فرد آپؐ کی بہترین معاشرت کو چیلنج نہیں کر سکا۔ آپؐ کے ”خلقِ عظیم“ کا مینار بہت اونچا ہے۔

آخر میں آپؐ نے فرمایا:

”کہ جب تمہارا ساتھی (یعنی کنبہ کا کوئی فرد) وفات پائے تو اس کی برائیوں اور غلطیوں کا ذکر نہ کرو۔“

مطلب یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں پہنچ جانے والے کی غیبت نہ کرو کیونکہ وہ اپنے رب سے جا ملا۔ خلقِ عظیم کے پیکر نے گھر والوں کے ساتھ ”بہت اچھا برتاؤ کرنے“، کی تلقین فرمائی ہے، چاہے وہ زندہ ہوں یا ان میں سے کسی کی وفات ہو جائے۔

بہترین شوہر

(۳۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا

اَحۡسَنُهُمۡ خُلُقًا وَخِيَارُكُمۡ خِيَارُكُمۡ لِنِسَائِهٖ۔

(ترمذی عن ابی ہریرہ۔ ابواب الرضاع مسند احمد ۷۳۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمنوں میں سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہیں۔ تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔

تشریح: بھلا آدمی اپنی بیوی سے بُرا برتاؤ نہیں کرتا اور "مؤمن کامل" بداخلاق نہیں ہوتا۔ بعض دینداروں کے چہرے پر مسکراہٹ بھول کر بھی نہیں آتی، ان کی سنگدلی اور بے مروتی کو دیکھ کر سخت وحشت ہوتی ہے۔ کاش کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی پر عمل کر کے اچھے اخلاق کے حامل بنتے اور اپنے ایمان کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے۔

شوہر بیوی کا ہاتھ بٹائے

(۳۹) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي الْبَيْتِ؟ قَالَتْ: كَانَ فِي مِهْنَةِ اَهْلِهٖ فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ خَرَجَ۔ (بخاری کتاب النفقات، کتاب الاذان)

اسود بن یزید سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: آپؐ ہمیشہ اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے جب اذان سنتے تو نماز ادا کرنے کے لیے) باہر تشریف لے جاتے۔

تشریح: ربّ کائنات کا محبوب ترین رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)______ جو کہ اسلامی ریاست کا صدر ہے، اپنے گھر میں کس سادگی اور تواضع سے رہتا ہے؟ آپؐ اپنے گھر میں اپنے ذاتی امور کو اپنے ہاتھ سے انجام دیتے اور اپنے گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہتے۔ آپؐ کا یہ طرزِ عمل کبھی کبھار کا نہیں تھا، بلکہ آپؐ کا ہمیشہ سے یہ معمول تھا کہ گھر میں آتے ہی وہ سب کام کرتے جو عموماً لوگ گھروں میں کرتے ہیں۔ گھر کے کام کاج میں اپنی بیویوں کا ہاتھ بٹاتے، گھر کے جس فرد کو بھی تعاون کی ضرورت ہوتی آپؐ اس سے تعاون فرماتے، اگر آپؐ کے کپڑے کا بخیہ اُدھڑ گیا ہے تو اُسے اپنے دستِ مبارک سے سینے لگتے، اپنی بکری کا دودھ خود

دوہتے، پانی کے ڈول میں سوراخ ہو گیا ہے تو آپؐ اُسے پیوند لگاتے، اپنے جوتے کو اپنے ہاتھ سے سی لیتے لیکن اذان سنتے ہی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے، سارے دھندوں کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے آقا کے قدموں میں سجدہ کرنے کے لیے فوراً مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اللہ کے نیک بندوں کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے گھر کے کام کاج میں اپنے بال بچوں کا ہاتھ بٹاتے رہے ہیں۔

اگر بیوی جسمانی کمزوری یا بیماری کی وجہ سے گھر کا کام نہ کر سکتی ہو تو اس سے ناراض ہونا یا اس پر دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ شوہر کو اس کی مدد کرنی چاہیئے اور اس کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے کی سزا

(۴۰) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ۔

(ترمذی عن ابی ہریرۃ ابواب النکاح نسائی عشرۃ النساء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا بدن گرا ہوا ہوگا۔

تشریح: (۱) جاہلیت کے زمانہ میں آدمی بیسیوں عورتوں سے شادی کر سکتا تھا، نہ تو بیویوں کی تعداد پر قدغن تھی اور نہ ان کے حقوق کا تعین تھا۔ قرآن نے آکر بتایا کہ ایک شوہر کو بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کرنے کی "اجازت" ہے۔ یہ کوئی "حکم" نہیں ہے کہ لازماً ہر مسلمان چار عورتوں کا شوہر ہو، بلکہ یہ ایک اجازت ہے اس آدمی کے لیے جو خاندانی اور معاشرتی لحاظ سے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے پر مجبور ہو۔ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

(الف) بعض لوگ صرف ایک بیوی پر قناعت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ دوسری شادی نہ کریں تو بدکاری میں ان کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے۔

افسوس ہے کہ مغربی تہذیب کے پرستاروں نے تعددِ ازواج کو وحشیانہ اور غیر مہذّب فعل قرار دے رکھا ہے۔ ان کی نگاہ میں اگر آدمی نکاح کے بغیر عورتوں کی عصمت سے کھیلتا رہے تو قابلِ اعتراض نہیں ہے لیکن اگر وہ اپنی جنسی تسکین کے لیے دو تین عورتوں سے نکاح کرلے

تو ان کی تہذیب کا آسمان پھٹ جاتا ہے۔

(ب) بعض اوقات خاندان کی بیوہ خواتین کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، اگر اس خاندان کے افراد دوسری شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوں کیونکہ وہ اپنے خاندان سے باہر شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔

(ج) یہ بھی ہوتا ہے کہ صاحبِ اولاد بیوہ یا مطلقہ اگر خاندان سے باہر شادی کرے گی تو اس کا غالب امکان ہے کہ اس کے بچوں کا مستقبل خراب ہو یا ان کی تعلیم اور تربیت کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ اور کئی اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر ایک شریف آدمی، ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔

(۲) ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت صرف اس شخص کے لیے ہے جو اپنی بیویوں کے درمیان عدل کر سکتا ہو لیکن جس شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکے گا تو وہ صرف ایک بیوی پر قناعت کرے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النساء آیت ۳)

وہ شخص اسلامی قانون کا مذاق اڑاتا ہے جو تعدد ازواج کی اجازت سے فائدہ اٹھا کر ایک سے زیادہ بیویوں سے شادی کرتا ہے، مگر ان میں سے بعض بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ شرعی عدالت ایسی مظلوم بیویوں کی حق رسی کا انتظام کرے گی ـــــــ اسلامی معاشرت کی عمارت میں دراڑ پڑ جاتی ہے اس بُری رسم سے کہ متعدد بیویوں کا شوہر ایک بیوی کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرے اور دوسری بیوی پر ظلم کرے اور ایسی بے رُخی اور بداخلاقی سے پیش آئے کہ وہ "معلّقہ" بن کر رہ جائے۔

وہ انسان بڑا ظالم ہے جو ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل نہیں کرتا، ایک بیوی سے تو وہ برسوں تک بات نہیں کرتا لیکن اپنی چہیتی بیگم سے رات دن چمٹا رہتا ہے ـــ بعض نادان لوگ دوسری شادی کے بعد اپنی پہلی بیوی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے گویا کہ اس سے کبھی ازدواجی مراسم نہیں رہے، بلکہ اسے نان و نفقہ دینے میں بھی بے پروائی سے کام لیتے ہیں۔

مظلوم بیوی منکوحہ ہونے کی وجہ سے نہ تو کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ اس کا شوہر اس کے معاشرتی حقوق ادا کرنے کے لئے تیار ہے، کیونکہ اس نے دوسری شادی رچالی ہے۔

قیامت کے دن ہر شخص اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اس ظالم شوہر کا آدھا جسم معطل اور بیکار ہونے کی وجہ سے زمین کی طرف جھکا ہوا ہے اور گرا چاہتا ہے جیسا کہ اس نے دنیا میں اپنے جسم کے ایک حصے (بیوی) کو معطل اور بیکار بنا رکھا تھا اور اس کے حقوق کو ساقط کر رکھا تھا۔

بیویوں کے درمیان حضورؐ کا عدل

(۴۱) كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعٌ فَكَانَ يَقْسِمُ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ۔ (مسلم عن ابن عباس کتاب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نو بیویاں تھیں۔ آپؐ (اپنے قیام کے اوقات) آٹھ بیویوں کے درمیان تقسیم کرتے اور نویں بیوی کے لیے کوئی باری مقرر نہ تھی۔

تشریح: متعدد بیویوں کے شوہر ہونے کی حیثیت سے (آپؐ نے عدل کا ایک بہترین نمونہ امت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ آپؐ نے نفقہ حسنِ اخلاق اور معاشرت میں ایک بیوی کو دوسری بیویوں پر ترجیح نہیں دی۔ ہر بیوی کے ہاں ایک دن رات قیام کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ آپؐ نے آخر دم تک اپنے اس عمل کو برقرار رکھا۔

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دور کے طرزِ عمل کا ذکر ہے جبکہ آپؐ کے ہاں حسبِ ذیل بیویاں تھیں:

(۱) حضرت سودۃ بنت زمعۃ رضؓ
(۲) حضرت عائشۃ بنت ابی بکر الصدیق رضؓ
(۳) حضرت حفصۃ بنت عمر بن الخطاب رضؓ
(۴) حضرت ام سلمۃ بنت ابی امیہ رضؓ
(۵) حضرت زینب بنت جحش رضؓ

(۶) حضرت جویریہ بنت الحارث رضؓ
(۷) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضؓ
(۸) حضرت صفیہ بنت حیی رضؓ
(۹) حضرت میمونہ بنت الحارث رضؓ

آپؐ آٹھ بیویوں میں سے ہر ایک کے ہاں ایک خاص ترتیب کے ساتھ باری باری قیام فرماتے۔ البتہ نویں بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام نہ فرماتے۔ سن رسیدہ ہونے کے علاوہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر اپنی باری کے اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تفویض کر دیے تھے۔ اس لیے آپؐ ہر بیوی کے ہاں صرف ایک دن رات قیام فرماتے، اور حضرت عائشہؓ کے ہاں دو شبانہ روز قیام رہتا۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے اصول کی پابندی آپؐ نے وفات سے پہلے اپنے مرض کے دوران بھی برقرار رکھی۔ آپؐ کا دل تو چاہتا تھا کہ آپؐ اپنی بیماری کے دنوں میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں رہیں لیکن عدل کا قانون مانع تھا اس لیے آپؐ روزانہ دریافت فرماتے کہ مجھے کل کہاں جانا ہے؟ مجھے کل کہاں جانا ہے؟ ازواجِ مطہرات نے ان حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دل پسند گھر میں رہنے کی اجازت دے دی، پھر آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں قیام فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے ہاں بُلا لیا۔

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ پیار اور اُلفت حضرت عائشہؓ سے تھی۔ قرب وجوار کے لوگوں کے علاوہ خود ازواجِ مطہرات کو بھی آپؐ کے اس قلبی رجحان کا علم اور احساس تھا۔ آپؐ اپنی بیویوں کے درمیان عملاً عدل کا برتاؤ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے کہ:

اے اللہ! میں اپنی استطاعت کی حد تک تو ان کے درمیان عدل کرتا ہوں۔ نفقہ، شب باشی اور حسن معاشرت میں ایک بیوی کو دوسری بیوی پر ترجیح نہیں دیتا لیکن جو چیز میرے اختیار میں نہیں ہے اور وہ تیرے قبضہ میں ہے (یعنی قلبی محبت)

تو اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ فرما۔

اس سے ثابت ہوا کہ متعدد بیویوں کا شوہر اگر اپنی سب بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے باوجود ایک بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتا ہو تو وہ گنہگار نہیں ہے۔ رہا یہ یہ سوال کہ قرآن نے تو ایک شخص کو زیادہ سے زیادہ صرف چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے لیکن اس روایت کی رو سے آپؐ کے ہاں ایک ہی وقت میں نو بیویاں تھیں۔؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس خُدا نے عام لوگوں کے لئے صرف چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس تحدید سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ آپؐ کو دین کی دعوت و تبلیغ اور اقامت کا جو عظیم الشان کام سپرد کیا گیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ آپؐ زیادہ سے زیادہ خواتین کو زوجیت کا شرف عطا فرما کر اس کارِ عظیم میں شریک کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ازواجِ مطہرات نے آپؐ کی ازدواجی زندگی کے کسی گوشہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا تھا کہ شوہر اور گھر کے ذمہ دار منتظم کی حیثیت سے آپؐ کا طرزِ عمل کھُلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے آئے کیونکہ آپؐ زندگی کے تمام شعبوں کی طرح "معاشرت" میں بھی قیامت تک امامت اور راہنمائی کے ذمہ دار ہیں۔ آپؐ کی گھریلو زندگی "حسن معاشرت" کا بے مثال شاہکار ہے۔ انسانی تاریخ نے رحمدلی، غمگساری، ہمدردی، رواداری اور خوش اخلاقی کے اعتبار سے ایسا "مثالی شوہر" نہیں دیکھا۔

شوہر راضی، بیوی جنت میں

(۴۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا اِمْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ۔ (ترمذی عن ام سلمۃ ابواب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کی وفات کے وقت اس کا شوہر اس سے راضی ہے وہ بہشت میں جائے گی۔

تشریح: بیوی کو کوئی ایسا رویّہ اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے اس کا شوہر ناراض ہو وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو اس خوبی کے ساتھ نبھانے کی کوشش کرے کہ جب اس کی وفات ہو

تو شوہر خلوص دل سے اس کے حق میں کلمۂ خیر کہے اور اس کی جُدائی کے صدمہ کو محسوس کرے۔

شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اس کی رائے کا احترام کرے اور اس کی فرمانبرداری کرے۔ اِلّا یہ کہ وہ اپنی بیوی سے گناہ کا مطالبہ کرے اور اُسے بُرائی کی دعوت دے۔

وہ عورت بالکل مجرم نہیں ہے جو اپنے شوہر کی دعوتِ گناہ کو ٹھکرادیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ عورت ہو یا مرد، اس کی غیر مشروط اطاعت کا مرکز صرف "اللہ" ہے۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت سے بے نیاز ہو کر کسی انسان کی غیر مشروط اطاعت اور اتباع جائز نہیں ہے، چاہے وہ شوہر ہو یا باپ۔

شوہر کا احترام

(۴۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا۔

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح بحوالہ ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر (میں اللہ کے سوا خلق میں سے) کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دینا چاہتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

تشریح: اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بیوی کو اپنے شوہر کے احترام کرنے میں بالکل کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے چاہے سجدۂ عبادت ہو یا سجدۂ تعظیم۔ کسی سردار، پیر اور بادشاہ کو تعظیم اور احترام کی نیت سے سجدہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

نافرمان بیوی ملعون ہے

(۴۴) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَعَا الرَّجُلُ اِمْرَأَتَہٗ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَاَبَتْ اَنْ تَجِیْئَ لَعَنَتْھَا الْمَلَائِکَۃُ حَتّٰی تُصْبِحَ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح، مسلم کتاب النکاح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ (کسی عذرِ شرعی کے بغیر) آنے سے انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

تشریح: ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس

ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو عورت اپنے شوہر کے بُلاوے پر اس کے بستر پر نہیں جاتی اس پر اللہ کا غضب مسلط ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اس کا شوہر اس (کو معاف کردے اور اس) سے راضی ہوجائے۔" (مسلم کتاب النکاح)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلق زن وشو کے معاملہ میں بیوی کو شوہر کے جذبات کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر کسی معقول عذر کے بغیر وہ اس سے جسمانی رابطہ قائم کرنے سے انکار کردے تو وہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت کی مستحق ہوجائے گی جس عورت سے اس کا شوہر راضی ہے اللہ بھی اس سے خوش اور راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ عورت اچھی نہیں ہے جو اپنی غلط روی اور کج ذہنی سے اپنے شوہر کو پریشان کرتی رہتی ہے۔

"شوہر کی نافرمانی" اتنا بڑا سنگین جرم ہے کہ جو عورت اس کا ارتکاب کرتی ہے وہ اللہ کے غضب اور فرشتوں کی پھٹکار کی مستحق ہوجاتی ہے۔

بیوی پر شوہر کے تین حقوق

(۴۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَأْذَنَ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَمَا اَنْفَقَتْ مِنْ نَفَقَةٍ مِنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ فَاِنَّهٗ يُؤَدّٰى اِلَيْهِ شَطْرُهٗ۔ (بخاری کتاب النکاح عن ابی ہریرۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزے رکھے اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے دے۔

وہ شوہر کے حکم کے بغیر جو کچھ خرچ کرتی ہے اس کا آدھا اجر اس کے شوہر کو ملے گا۔

تشریح: اس حدیث میں بیوی پر شوہر کے تین حقوق بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اگر شوہر گھر میں موجود ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے۔

(۲) وہ شوہر کی رضامندی اور اجازت کے بغیر اپنے گھر میں کسی کو نہ آنے دے۔ چاہے وہ

مرد ہو یا عورت۔ جن عورتوں اور مردوں کا گھر میں آنا شوہر کی نگاہ میں ناگوار ہو، بیوی ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے، کیونکہ اس سے تلخی پیدا ہوگی، اس فتنہ سے گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔

(۳) وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے جو صدقہ خیرات کرے گی اس کا آدھا اجر بیوی کو اور آدھا اجر شوہر کو ملے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ فقیروں اور سائلوں کو کھانے کی معمولی مقدار دے یا ہمسایوں، رشتہ داروں اور سہیلیوں کو ایسی چیزیں تحفہ میں دے جن کو زیادہ عرصہ تک رکھنے سے ان کے خراب اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً: پکا ہوا کھانا، سبزی ترکاری، دودھ اور تازہ پھل وغیرہ۔ عرفِ عام میں اس طرح کے صدقہ خیرات اور فیّاضی کو اچھے اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے۔ گھر والوں کا یہ رویّہ کسی بھلے آدمی کی نگاہ میں قابلِ اعتراض نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ خرچ ہونے والے مال اور اشیاء کا مالک ہے اور بیوی کو خرچ کرنے کی وجہ سے آدھا اجر ملے گا۔

ہاں، قابلِ لحاظ مالیت کا سامان یا نقدی صدقہ خیرات میں دینا ہو، یا کسی کو ہدیہ اور تحفہ دینا ہو تو بیوی کو شوہر سے اس کے لیے اجازت حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ وہ شوہر کی جائیداد کی امین اور نگراں ہے۔ اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر وہ اپنے کسی عزیز اور سہیلی کو کسی قسم کا ہدیہ یا تحفہ دینے کی مجاز نہیں ہے جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

لَا تَجُوْزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا۔

(ابوداؤد عن عبداللہ بن عمر کتاب البیوع)

کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو عطیہ دے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطاب میں اصولی بات ارشاد فرمائی کہ :

لَا تُنْفِقُ الْمَرْأَةُ شَيْئًا مِنْ بَيْتِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا۔

(ابوداؤد عن ابی امامہ کتاب البیوع، ترمذی ابواب الوصایا)

عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے کچھ خرچ نہ کرے۔

عملاً یہ تو دشوار ہے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کے عطیہ، خیرات یا تحفہ اور مہمان نوازی کے لیے اجازت لیتی پھرے۔ اس کا معروف طریقہ یہ ہے کہ وہ اصولاً اس طرح کے اخراجات کے لیے فی الجملہ شوہر کی رضامندی اور اجازت حاصل کرلے، پھر جس مد میں جتنا خرچ اُٹھے اس کو اس سے آگاہ کردے۔ صدقہ خیرات کرنے یا ہدیہ تحفہ دینے میں بیوی کو ایسی روش اختیار نہ کرنی چاہیے جو پورے گھر کی معیشت کو لے ڈوبے، اور آمدنی و خرچ کا توازن بگڑ جائے۔

نیک بیوی

(۴۶) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ۔

(مسلم عن عبداللہ بن عمرو، کتاب الرضاع۔ نسائی کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا "متاع" ہے۔ اور اس کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔

تشریح: "متاع" اس سامان کو کہتے ہیں جس سے ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھایا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے "دنیا کی زندگی" کو اس معنی میں "متاع" قرار دیا ہے کہ آدمی اس سے مستفید ہوتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے لیکن یہ استفادہ ہمیشہ برقرار نہیں رہتا، بلکہ رُک جاتا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے اسباب اور سامان سے استفادہ کیا جاتا ہے اور نفع اٹھایا جاتا ہے۔ لوگ اپنی محدود اور مستعار زندگی میں اس کی نعمتوں اور مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری نہیں رہتا بلکہ ختم ہوجاتا ہے۔ بہر حال دنیا میں اسباب اور سامان زندگی سے ہمیشہ نہیں بلکہ ایک مدّت تک فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے لیکن سب سے بہتر سامانِ زندگی اور مفید سبب' نیک بیوی ہے۔ دنیا کی محدود اور متعین مدت میں شوہر کو نیک بیوی کی رفاقت سے اطمینان، سکون اور راحت کی نعمت میسر آتی ہے۔ وہ گھر کو خوشی، نیکی اور آرام سے معمور کردیتی ہے۔ وہ نہ تو تنگدستی کے دور میں گھبراتی ہے اور نہ خوش حالی میں اتراتی ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے شوہر کی ڈھارس بندھاتی ہے۔ ایسی سنجیدہ، خوش اخلاق اور سمجھ دار بیوی پر مکمل اعتماد کرکے وہ پوری یکسوئی سے اللہ تعالیٰ

کے فضل (رزق حلال) کی تلاش میں مصروف ہوجاتا ہے۔ دین اسلام پر عمل کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کے کام میں وہ اس سے تعاون کرتی ہے۔

اگر بیوی بدمزاج، کج خلق اور زبان دراز ہو تو شوہر کا سکون برباد ہوجاتا ہے اور خانگی زندگی فساد اور انتشار کا شکار ہوجاتی ہے۔

بہتر بیوی کی صفات

(۴۷) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قِیلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النِّسَآءِ خَیْرٌ؟ قَالَ الَّذِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهٗ فِیْمَا یَکْرَهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ۔

(مسند احمد نمبر ۷۴۱۵۔ نسائی کتاب النکاح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

(الف) شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اُسے خوش کردے۔

(ب) جب وہ اُسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔

(ج) اس کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں وہ ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہو۔

تشریح: بہترین بیوی کی یہ تین صفات، ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

(الف) وہ خندہ پیشانی، مسکراہٹ اور محبّت سے اپنے شوہر کا استقبال کرتی ہے۔ لباس، رہن سہن اور معاشرت میں ان طور طریقوں کو اپناتی ہے جس سے اس کا شوہر خوش ہو۔ اپنے حسنِ اخلاق سے اُسے مسرور اور مطمئن کردیتی ہے۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ جاذب توجّہ اور دلکش بن کر رہنے کی کوشش کرتی ہے۔

(ب) اپنے شوہر کے ہر حکم کی خوش دلی کے ساتھ اطاعت کرتی ہے۔ اس کے ذوق اور پسند کے مطابق گھر کا نظام سنبھال لیتی ہے۔ زندگی کے کسی مرحلہ پر اُسے شکایت کا

موقع نہیں دیتی۔ وہ سراپا پیکر تسلیم ومحبّت بن کر "گلستان حیات" کی بہار بن جاتی ہے۔

لیکن ایک اصولی بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت سے زیادہ اہم اللہ کی اطاعت ہے اگر شوہر:

- خدا کی نافرمانی اور گناہ کا حکم دے
- یا خدا کے حکم سے باز رکھنے کی کوشش کرے
- یا فحاشی، عریانی اور بے حیائی کی دعوت دے

تو مسلمان بیوی کا فرض ہے کہ کسی تأمّل کے بغیر اس کی بات ماننے سے انکار کر دے۔

(ج) وہ اپنی ذات کے معاملہ میں شوہر کے جذبات کا احترام کرتی اور پاک دامن رہتی ہے۔ میل ملاپ اور آمد و رفت میں اس کی مرضی کو ملحوظ رکھتی ہے۔ گھریلو اور ذاتی اخراجات کے لئے اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتی۔ اس کی جائداد کو نہ تو وہ ضائع کرتی ہے اور نہ اس میں خیانت کرتی ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے مال، گھر اور اپنے ناموس کی حفاظت کرتی ہے۔ اور بچّوں کی تعلیم اور تربیت کی نگراں ہوتی ہے۔

معیاری بیوی

(۴۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْأَۃُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَھَا وَصَامَتْ شَھْرَھَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَھَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَھَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ شَاءَتْ۔

(مشکوٰۃ عن انس کتاب النکاح بحوالہ ابی نعیم فی الحلیۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت جبکہ (ایامِ طہارت میں روزانہ) پانچ نمازیں ادا کرے۔ اور (ہر سال) ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ (قیامت کے دن) بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس خاتون میں یہ چار صفتیں پائی جائیں اُسے جنت میں جانے

سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

قریشی خواتین کی خوبیاں

(۴۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ نِسَآءٍ رَکِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَآءِ قُرَیْشٍ اَحْنَاہُ عَلٰی وَلَدٍ فِیْ صِغَرِہٖ وَاَرْعَاہُ عَلٰی زَوْجٍ فِیْ ذَاتِ یَدِہٖ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الفضائل۔ بخاری کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب عورتوں میں سب سے اچھی، قریش کی عورتیں ہیں۔ چھوٹے بچے پر بہت مہربان اور شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والی ہیں۔

تشریح: عرب عورتیں مجموعی حیثیت سے اگرچہ اچھی ہیں لیکن ان میں بہترین، خاندانِ قریش کی عورتیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ:

قریشی عورت چھوٹے بچے سے بہت پیار اور شفقت کرتی ہے۔ اس کی تعلیم اور تربیت کا خاص طور پر خیال رکھتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ بیوہ ہو جائے تو اپنے بچے کی خدمت، تعلیم اور تربیت کو شادی پر ترجیح دیتی ہے۔ وہ ایک معاملہ فہم امین کی طرح شوہر کی آمدنی اور جائداد کی حفاظت کرتی ہے۔ وہ غیر ضروری، بے ہودہ اور نمود و نمائش کے کاموں پر روپیہ برباد نہیں کرتی۔ گھر کے روزمرّہ اخراجات میں وہ ہمیشہ اعتدال اور ضرورت کو ملحوظ رکھتی ہے۔ ان دو وجوہ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی خواتین کو بہترین عورتیں قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھی اور معقول بیوی کو ان دو صفتوں کا حامل ہونا چاہیے۔

۱۔ بچوں کی تربیت اور تعلیم سے بے حد دلچسپی

۲۔ گھر کی معیشت کو مستحکم بنانے کی کوشش۔

رشحات

تمدّن کی ترقی کا انحصار خاندانی زندگی کے استحکام پر ہے۔ خاندان کا نظام اس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتا جب تک شوہر بیوی کے اور بیوی شوہر کے حقوق ادا نہ کرے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شوہر سے بیوی کے اور بیوی سے شوہر کے حقوق کے بارے میں احتساب فرمائے گا۔ اور ان میں سے جو ظالم ہو گا وہ سزا پا کر رہے گا۔

شوہر پر بیوی کے حقوق یہ ہیں کہ:

وہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کے کھانے، لباس اور دوسری ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے کا ذمّہ دار ہے۔ وہ کھانے اور لباس میں بیوی پر اپنے آپ کو ترجیح نہ دے۔ اُسے وہ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے، اور اُسے وہ لباس پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے۔

شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ نفقہ، شوہر اور بیوی کی معاشی حالت کے مطابق متعین ہونا چاہیے۔ اگر شوہر بیوی کو تھوڑا نفقہ دے تو وہ اس کے مال سے اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کمی پوری کر سکتی ہے۔

اگر بیوی بیمار یا کمزور ہونے کی بنا پر گھر کا کام کاج نہ کر سکتی ہو تو اس سے تعاون کرے۔ بیوی سے حسنِ سلوک کرے۔ اس کی کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ اور اس سے نرمی کا برتاؤ کرے۔ اُسے رُسوا نہ کرے اور اُسے گالی نہ دے۔ اُس کی پٹائی نہ کرے الّا یہ کہ وہ سرکش ہو، اور پٹے بغیر اس کی اصلاح کی توقع نہ ہو لیکن اس کو زدوکوب کرنے میں اس بات کا خیال رکھے کہ اس کے چہرے پر نہ مارے، اور اُسے مجروح نہ کرے۔

اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو ان کے درمیان عدل کرے ورنہ قیامت کے دن اس کا آدھا بدن مفلوج ہو گا۔

بچوں کی شادی کے سلسلہ میں اس سے مشورہ لے لیا کرے۔

اگر وہ خوبصورت نہ ہو تو اس سے نفرت کرے نہ اس پر طنز کرے بلکہ اس کی دوسری خوبیوں پر نگاہ رکھے۔

بیوی پر "شوہر کے حقوق" یہ ہیں کہ:

وہ اس کے لئے کھانا تیار کرے، اس کے گھر کو صاف ستھرا رکھے، کپڑے دھوئے اور گھر کے سامان کو سلیقہ سے رکھے۔

وہ اپنے شوہر کا احترام کرے، اور مرتے دم تک اس کو راضی رکھنے کی کوشش کرتی رہے۔ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اُسے خوش کر دے۔ جب وہ اُسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، الّا یہ کہ وہ اُسے گناہ کرنے کا حکم دے۔

اپنی عفت کی حفاظت کرے۔

جو عورت روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتی ہے، ہر سال رمضان کے مہینہ میں روزے رکھتی ہے، اور اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہے، اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہے وہ لازمًا جنّت میں جائے گی۔ اور نافرمان بیوی ملعون ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے لئے نفلی روزے رکھنا، کسی کو گھر میں آنے دینا اور اس کے مال سے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔